سلعم کو آپ کے اس شدید اضطراب پر تنبیہ کی گئی ہے جو کفار و مشرکین کو
لیے آپ کے اندر پایا جاتا تھا، اور جس کی وجہ سے آپ کی توجہ مسلمانوں کے
تی تھی، اس بنا پر اس وقت جبکہ خود مسلمان اسلام پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہیں
و غیر ضروری نہیں کہا جا سکتا ہے، دعوت و تبلیغ میں حکمت، موقع و حالات
م کو مد نظر رکھنا ضروری ہے، علاوہ ازیں غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ
ہے جب مسلمان خود اسلام کے سچے حامل نہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے
یادہ خود مسلمانوں کی اصلاح و تبلیغ کو مقدم سمجھتے ہیں، ورنہ وہ بھی غیر مسلموں میں
لیم کرتے ہیں، تاہم جماعت اسلامی کی اس میدان میں بھی سبقت قابل ستائش ہے۔

صہ دوم: مرتبہ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، تقطیع خورد، کاغذ معمولی،
بہتر، صفحات ۲۰۰، قیمت چھ روپے، پتہ: مصنف کیر آف خان کلاتھ
ت گنج، ضلع بستی۔

ہے، اس میں طبقۂ تابعین و تبع تابعین کے ممتاز محدثین کی ان مساعی کا ذکر ہے جو احادیث
تدوین کے سلسلہ میں انھوں نے انجام دی ہیں، لائق مصنف نے اس ضمن میں ان بزرگوں کے حدیث
کمال، نقل و روایت میں مکمل احتیاط اور عدالت و دیانت کے مستند واقعات بھی
فع، ہمام بن منبہ، قتادہ، امام شعبی، امام زہری، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام شعبہ
یح، امام مالک، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، عبدالرحمن بن مہدی،
فیان بن عیینہ، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، امام ابو زرعہ، یحیی بن معین، امام احمد
ذکر ہے، آخر میں ائمہ صحاح میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ترمذی
کے علاوہ اہم اور ممتاز کتب حدیث کی خصوصیات بھی تحریر کی ہیں، اس مفید کتاب سے ائمہ حدیث کی روایات
کا اندازہ بھی ہوگا اور منکرین حدیث کے بعض بے بنیاد الزامات کی تردید بھی ہوگی۔ "ض"

جلد ۱۲۹ ماہ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۸۲ء عدد ۶

مضامین

شذرات
سید صباح الدین عبدالرحمٰن ۴۰۲ - ۴۰۴

مقالات

مستشرقین اور علوم اسلامیہ — جناب شیخ نذیر حسین صاحب پارٗ اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۴۰۵ - ۴۱۸
قسطا بن لوقا البعلبکی — جناب وسیم احمد اعظمی صاحب لٹریری ریسرچ یونٹ خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ ۴۱۹ - ۴۲۸
تیسری چوتھی صدی ہجری میں مرکز اسلام بغداد کے اندر کتابیاتی سرگرمیاں، — مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، نائیجیریا ۴۲۹ - ۴۴۱
شمس طبسی کے کلام کا ایک قدیم مجموعہ — ڈاکٹر ریحانہ خاتون، لکچرر شعبۂ فارسی دلی یونیورسٹی ۴۴۲ - ۴۵۱
اسلام اور مستشرقین پر دارالمصنفین کا بین الاقوامی سمینار، — سید صباح الدین عبدالرحمٰن ۴۵۲ - ۴۷۲
دارالمصنفین کے بین الاقوامی سمینار سے متعلق ایک اہم مکتوب — جناب حکیم محمد سعید صاحب دہلوی ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی ۴۷۴ - ۴۷۶
مطبوعات جدیدہ، "ض" ۴۷۷ - ۴۸۰

شذرات

ضرت مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری کا وصال ۱۴۰۲ھ
ہ میں ہوگیا، جہاں شیدائیوں اور فدائیوں کے بے پناہ ہجوم
ور اسی مقدس سرزمین میں سپرد خاک کئے گئے، جس کی آرزو زندگی بھر

ائے سلف کی ایک بے مثال یادگار تھے، اُن کی تدفین کے ساتھ
عبقریت کی نظر حکیمانہ، اسرار محرمانہ، جذب عارفانہ اور پھر دینی
جلوہ سامانی، تحریر کی صاعقہ پاشی اور قلم کی برق وشی بھی تہ خاک
ٹی میں ہیں، اُن کو اُن کے معتقدین ملک العلما، سلطان الفضلا،
الفقرا، کی حیثیت سے یاد کرکے ان کی دائمی جدائی پر آنسو بہاتے رہیں گے،
چے لکھا جائیگا، وہ دینی اور روحانی علوم کے دریا میں کبھی مثل موج ابھر کر
ٹس کے سینے میں اُتر کر اُن کے راز کو جس طرح فاش تر کرتے رہے،
ہے گا، انھوں نے خدا جانے کتنے اوراق پر اسرار الٰہی کے حقائق او
ں ان گنت تصانیف کی روحانی، مذہبی، نظری، فکری، اخلاقی اور
یرت کے درس حاصل ہوتے رہیں گے،

ی، اور وہیں ایک عرصہ تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا،
یا تھا، اسی لئے طالب علمی ہی کے زمانے سے قرآن مجید، حدیث
تے رہے، قرآن پاک کو سمجھنے اور سمجھانے میں اُن کی جو نظر لغت، نحو، صرف،
علم عقائد اور شان نزول آیات کریمہ پر رہی وہ کم علماء کی رہی ہوگی،

اسی طرح حدیث کو سمجھنے کے لئے فرماتے کہ محدثیت اور شیخت کے بجائے سلف صالحین کی جانکاہی کی ضرورت ہوتی ہے، انھوں نے خود اس جانکاہی کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا، بہت بڑے محدث ہوئے، حدیث کا درس دینے میں یگانۂ روزگار تسلیم کئے گئے، عربی میں ترمذی، موطا اور بخاری شریف کی مختلف جلدوں میں جو شرحیں لکھی ہیں وہ اسلامی ممالک میں بھی شمع ہدایت بنی ہوئی ہیں، وہ بہت بڑے فقیہ بھی تھے، وہ اس کے قائل تھے کہ فقہ کا منبع قرآن پاک، سنت مطہرہ، اجماع اور قیاس ہے اس لئے ایک فقیہ کے لئے ان چیزوں کو معلوم کرنا ضروری ہے جو قرآن مجید اور حدیث پاک میں ہے،

ان علوم کے حصن حصین میں بیٹھ کر وہ سلوک و طریقت کی طرف بھی مائل ہوئے، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی صحبت میں تقویٰ حاصل کیا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے فکر حکیمانہ اخذ کی، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے مجاہدہ کا درس لیا، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے تواضع اور انکسار سیکھا، اپنے چچا حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے مذہبی مراسم کی نگہبانی کی وراثت ملی، اور اپنے مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے فن حدیث سے شغف و انہماک کے علاوہ، عشق الٰہی، محبت رسول، سوز، گداز، صدق، صفا، زہد، توکل، محبت، خودانکاری اور ایثار کی دولت پائی، یہ وہ بزرگانِ دین تھے جن کے بارہ میں خود حضرت مولانا کا خیال تھا کہ ع :- انھی کے اتقا پہ ناز کرتی ہے مسلمانی،

رشد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوتے تو انابت ہو یا عبادت، زہد ہو یا ریاضت، مجاہدہ ہو یا تفکر، استغنا ہو یا قناعت، بے نیازی ہو یا اخلاص، عشق الٰہی ہو یا محبت رسول، ان سب کے مدارج طے کر کے اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو دیکھ کر محو اور متحیر رہتے، اور دنیا کو اپنی انگلیوں کے حلقہ ہی میں رکھنا پسند کیا، ایسے ہی بزرگانِ دین کے لئے اقبال نے کہا ہے، ؎

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی

ان کی خدمت بابرکت میں رشد و ہدایت کیلئے جو بھی حاضر ہوا اس نے محسوس کیا کہ

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

ان کو پرمعنا لئے بیٹھے ہیں، اپنی آستینوں میں

تے رہے، ع :- دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں،

ہر گنبد خضرا، کے دیدار سے مشرف ہوتے، بادریں پہنچ کر انہوں نے شوق دیدار کی تشنگی
ات کو عام کرتے، یا یوں بھی جا کر اخلاق نبوی، افعال نبوی اور اقوال نبوی
رم رکھتے، وہ روحانی منظر کیسا ایمان پرور رہتا جب وہ خود جلوہ افروز ہوتے،
تا اور سرشار جماعت ہوتی جن کے دل کے اندر بس لا الٰہ الا اللہ کی نغمہ ریز
تا کہ ع :- نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ،

کمالات پر کچھ بھی لکھنا اس کے بس کی بات نہیں

یار گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

ہونے کے باوجود عوام وخواص میں قدوۃ السالکین ہی کی حیثیت
فرما ہیں، وہاں اگر محدثین کے جلو میں نظر آرہے ہوں گے تو اقطاب الاسلام
یار کی صف میں بھی دکھائی دے رہے ہوں گے، قدوۃ السالکین کی حیثیت
لسلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ احسان کیا چیز ہے تو آپ
رح کرو کہ جیسے اس کو دیکھ رہے ہو، اسی احسان کا ایک نام طریقت
دی میں بالکلیہ معروف ہو جانے، علم دین پر قوت یقین رکھنے
م اخلاق تصوف ہے،

کی روح پر فتوح کو خوش رکھتا ہے، گو یہ یقین کامل ہے کہ ان کی
ر تصفیہ قلب کی وجہ سے اُن کے مرقد مبارک پر انوار الٰہی او
گی، آمین ثم آمین،

مقالات

مستشرقین اور علوم اسلامیہ

از

شیخ نذیر حسین، مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

یورپ اور عالم اسلام کے باہمی تعلقات صدیوں سے قائم ہیں؛ یہ تعلقات شروع میں خالص تجارتی، دینی اور علمی تھے، بیت المقدس عیسائیوں کا دینی اور روحانی مرکز ہے، اس لیے فلسطین جانے والے عیسائی زائرین کی رہنمائی کے مختلف اوقات میں ہدایت نامے، سفرنامے اور عربی بول چال کی کتابیں لاطینی رسم الخط میں لکھی گئیں؛ ازمنۂ وسطیٰ میں اندلس ہی تعلیم و تدریس کا مرکز تھا، لہٰذا اطالوی اور فرانسیسی طلبہ اشبیلیہ اور قرطبہ کا رخ کیا کرتے تھے، ان کے طفیل کندی، فارابی، ابن سینا اور ابن رشد کی بہت سی کتابیں لاطینی زبان میں منتقل ہوئیں، یورپ میں ڈیکلن یا پاپائے روم کا صدر مقام اور عیسائیت کی تعلیم و تدریس کا بڑا مرکز ہے، یہاں کے فارغ التحصیل دینی مناصب پاتے تھے اور اپنے اپنے ملکوں میں جا کر تعلیم و تعلم کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے، یہ طلبہ عربی زبان سے بھی بقدر ضرورت واقف ہوتے تھے.

عبرانی اور عربی زبانوں کی تحصیل کی طرف رغبت اور شوق کا ایک بڑا سبب کتاب مقدس کا علمی و تحقیقی مطالعہ تھا، چنانچہ سولہویں صدی عیسوی میں تورات کے ترجمے مختلف یورپی ممالک میں

عبرانی اور عربی تھی، کتاب مقدس کے تراجم میں لبنان کے عیسائی فضلا کی
ں، لبنان کے مارونی عیسائیوں کے پاپائے روم سے صدیوں سے

سلامی زبانوں کی ترویج و اشاعت کا دوسرا بڑا محرک یورپی استعمار تھا،
ں فرانس نے الجزائر، مراکش اور تونس پر قبضہ کر لیا، برطانیہ نے ہندوستان
یزیوں نے انڈونیشیا پر قبضہ جما لیا، روس نے ترکستان کو غصب کر لیا،
یا لیا اور برطانیہ نے مصر پر اپنی سیادت قائم کر لی، ان مفتوحہ اور
م و آداب اور رسوم و رواج سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے متعدد
بتدا میں ان اداروں میں کام کرنے والے زیادہ تر اہل کلیسا تھے، جو دینی
ان کے بعد بہت سے حقیقی عالم بھی پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی زندگیاں علوم اسلامیہ
کر دیں، انھیں اسلام اور مسلمانوں سے کوئی خاص عناد یا تعصب نہ تھا، ان میں
علم اور ان کے علمی کاموں کا سطور ذیل میں تعارف کرایا جاتا ہے:

وم عربیہ کا شعبہ سنہ ۱۷۳۲ء سے قائم ہے، اطالیہ کے دوسرے شہروں میں
ں کا انتظام ہے، ان میں پاپائے روم کا مدرسہ لغات شرقیہ خاص
سریانی، عبرانی، آرامی اور عربی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے،
د میں موجود ہیں، یورپ میں سب سے پہلے اطالیہ کے مختلف
شاعت کا آغاز ہوا، چنانچہ ابن سینا کا القانون فی الطب سنہ ۱۴۷۳ء
ابن رشد کی شروح مؤلفات ارسطو بارہ ۱۲ جلدوں میں سنہ ۱۵۶۰ء میں
ت سے تراجم شائع ہوئے۔

انیسویں صدی عیسوی اطالیہ میں عربی زبان کے علوم و فنون کا زریں دور ہے، اس زمانہ میں بہت سے نامور علمائے مشرقیات پیدا ہوئے، جن میں مندرجۂ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

امیر کایتانی (سنہ ۱۸۶۹ء تا سنہ ۱۹۲۶ء) اطالیہ کا مشہور فاضل اور امیر کبیر تھا، جس نے اپنی دولت عربی مخطوطات کے جمع کرنے میں صرف کر دی، اس کی زندگی کا سرمایہ تاریخ اسلام کی تالیف ہے، جس میں سنہ وار واقعات سنہ ۶۲۲ء (سنہ ۱۷ھ) تک مذکور ہیں، اس کی صرف پانچ جلدیں جو سنہ ۱۹۱۲ء تک محیط ہیں چھپ چکی ہیں، اس کا دوسرا سرمایہ عمر شخصیات العالم الاسلامی (علمائے اسلام کے تراجم، ان کے مولفات اور مصادر کا ذکر) ہے، جس کی صرف دو جلدیں سنہ ۱۹۱۵ء میں شائع ہو سکیں، بقایا کام ان کی موت کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا، ان کا جمع کردہ کتب خانہ مخطوطات عربیہ کا بیش قیمت خزانہ ہے۔

اغناطیوس گیڈی (سنہ ۱۸۴۴ء تا سنہ ۱۹۳۵ء) جامعۂ مصریہ میں عربی زبان و ادب، تاریخ و جغرافیہ کا استاذ تھا اور فصیح عربی زبان میں درس دیا کرتا تھا، کتاب الاغانی کی فہارس اس کی علمی یادگار ہے۔

کارلو نلینو (سنہ ۱۸۷۲ء تا سنہ ۱۹۳۸ء) عربی بے تکلف لکھتا اور بولتا تھا، اور جامعہ مصریہ میں علم الفلک کا درس دیا کرتا تھا، تاریخ علم الفلک عند العرب اس کی مشہور کتاب ہے۔

بوسانی (المولود سنہ ۱۹۲۱ء) نے قرآن پاک کا اطالوی زبان میں ترجمہ کیا ہے، اسے اردو اور فارسی سے زیادہ شغف تھا، محمد اقبال، دانتے و اقبال اس کی تصانیف ہیں، الشرق الحدیث (Orient Moderno) اطالیہ کا مشہور علمی و تحقیقی رسالہ ہے۔

فرانس اہل فرانس اور عالم عرب کے درمیان تجارتی اور ثقافتی تعلقات صدیوں سے قائم ہیں، صلیبی جنگوں، تجارتی سرگرمیوں، سفیروں کے تبادلے اور شمالی افریقہ اور لبنان میں فرانسیسی

میں بڑی مدد کی ہے، فرانسیسیوں نے عربی علوم و فنون، اندلس
لیے، سنہ ۱۲۰۵ء میں علوم مشرقیہ کی تدریس کے لیے ایک درسگاہ
جامعۂ پیرس میں شعبۂ عربی کا قیام عمل میں لایا گیا، جو کہ سوربون
س کی بیشتر جامعات میں عربی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ
عربی ٹائپ کا پریس قائم ہوا، فرانسیسی سیاحوں نے شام اور

بیرن دی ساسی (سنہ ۱۷۵۸ء تا سنہ ۱۸۳۸ء) استاذ الاساتذہ
نامہ مقامات حریری (متن و ترجمہ) کی اشاعت ہے، اس کے
قابل ذکر ہے، جس نے مقدمۂ ابن خلدون تین جلدوں

ء) فرانس اور جرمنی کے متعدد علماء و فضلاء کا استاذ
مقدمۂ ابن خلدون اور وفیات الاعیان (ابن خلکان)

سنہ ۱۹۰۸ء) نے مکتبہ اسکوریال (اسپین) کے عربی مخطوطات
ب (سیبویہ) کا متن اور فرانسیسی ترجمہ مفید حواشی کے
عت بھی اس کا کارنامہ ہے۔
ء) نے اپنی ملازمت کا آغاز جامعۂ الجزائر سے کیا، اسے
آداب سے دلچسپی رہی ہے، بے شمار مقالات کے
حرب (ابن حزم) کی تصحیح اور اشاعت ہے۔

لوئیس ماسینون (سنہ ۱۸۸۳ء تا سنہ ۱۹۶۲ء) بیسویں صدی کا ممتاز فرانسیسی مستشرق تھا، اس نے ممالک عربیہ کے متعدد سفر کیے اور علمائے اسلام سے ذاتی تعارف پیدا کیا، اس کی دلچسپی کا مرکز اسلامی تصوف رہا ہے، کتاب الطواسین (حلاج) کو پہلے پہل اسی نے شایع کیا۔

لاؤسٹ (المولود سنہ ۱۹۰۵ء) کو امام ابن تیمیہ کے افکار اور ان کی تصانیف سے بڑی دلچسپی ہے، چارلس پیلا سوربون میں عربی زبان کا استاذ اور مجلہ ارابیکا (Arabica) کا سکریٹری ہے، اس نے جاحظ کے متعدد رسائل تصحیح و تعلیق کے ساتھ شایع کیے ہیں، قومی کتب خانہ پیرس میں عربی کی ہزاروں کتابیں ہیں، فرانسیسی زبان میں متعدد علمی و تحقیقی رسائل شایع ہوتے ہیں، جن کا موضوع عربی زبان و ادب اور عالم اسلامی کے حالات و مسائل ہوتے ہیں۔

ہالینڈ فرانس کے بعد ہالینڈ عربیات اور اسلامیات کی تدریس کا بڑا مرکز ہے، لائیڈن یونیورسٹی میں عربی زبان کی تعلیم و تدریس کا شعبہ سنہ ۱۶۱۳ء سے کام کر رہا ہے، مشہور عالم مطبع بریل کو مستشرق بریل نے سنہ ۱۸۱۲ء میں قائم کیا تھا، یہ مطبع پانچ سو سے زائد علوم شرقیہ کی کتابیں چھاپ کر شایع کر چکا ہے، جن میں نصف عربی زبان میں ہیں، مکتبۃ الجغرافیین العرب کی آٹھ جلدوں میں اشاعت ایک بڑا علمی کارنامہ ہے، الجامع الصحیح البخاری کا ایک عمدہ ایڈیشن سنہ ۱۹۰۸ء میں لائیڈن سے شایع ہوا تھا، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام بھی لائیڈن سے چھپ کر شایع ہو رہا ہے، اس کا جدید اشاعت جس میں مسلم ممالک کے اہل علم کے مقالات بھی شامل ہیں، ہر لحاظ سے مستحق عزت و تحسین ہے، ہالینڈ کے علمائے مشرقیات نے مختلف ادوار میں علوم اسلامیہ کی بڑی خدمت کی ہے، ان میں سے ممتاز علماء کے نام یہ ہیں:

ڈوزی (سنہ ۱۸۲۰ء، سنہ ۱۸۸۳ء) نے تاریخ اندلس چار جلدوں میں لکھی، تکملۃ معاجم العربیۃ اس کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے۔

توح البلدان (البلاذری) اور الطبری کی تاریخ
سے شایع کی، اس عظیم الشان کتاب کا انڈکس اور
ب بڑی نعمت ہیں۔

تا ۱۹۳۹ء) ، المعجم المفہرس لالفاظ
تدوین اور اشاعت اس کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے،
س برس صرف ہوئے، یہ الفاظ حدیث کا انڈکس ہے
س کے مقام پر تلاش کر سکتے ہیں۔

سط دوسری صلیبی جنگ (۱۱۴۷ء، ۱۱۴۹ء) سے
بان کا شعبہ چودھویں صدی عیسوی کے اواخر سے
سطے شہنشاہ فرڈینان کے عثمانی سلاطین سے
صدی کے آغاز میں دی ساسی کے جرمن
ت اور تحقیق میں بڑی ترقی ہوئی، ان میں سے

الحماسہ بشرح التبریزی مع حواشی و فہارس
علمی کاوش کا نتیجہ ہے۔

ی خلیفہ کی کشف الظنون (متن و لاطینی ترجمہ)
الفرقان فی اطراف القرآن اس کا دوسرا
ہے،

شرقیۃ الالمانیہ کا بانی تھا، اس نے تفسیر بیضاوی

المفصل (الزمخشری) اور دوسری کتابیں مفید حواشی کے ساتھ شایع کیں۔

وسٹنفلٹ (۱۸۰۸ء تا ۱۸۹۹ء) نے ساٹھ برس عربی زبان، اس کے علوم و آداب کی خدمت کی، وفیات الاعیان (ابن خلکان) تہذیب الاسماء (نووی) طبقات الحفاظ (الذہبی)، کتاب المعارف (ابن قتیبہ) تاریخ مکہ، سیرت ابن ہشام اور معجم البلدان (یاقوت) وغیرہ کی تصحیح اور اشاعت اس کی زندگی کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

آلورٹ (۱۸۲۸ء، ۱۹۰۹ء) فہرست مکتبۂ برلن اس کی فضیلت پر شاہد ہے۔

یان (Jahn) (۱۸۳۶ء تا ۱۹۱۷ء) نے شرح المفصل (ابن یعیش) مفید تعلیقات کے ساتھ شایع کرنے کے علاوہ کتاب (سیبویہ) کا جرمن میں ترجمہ شایع کیا، جو حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ذخاؤ (۱۸۴۵ء تا ۱۹۳۰ء) فلائشر کا شاگرد رشید تھا، البیرونی کی تحقیق ماللہند (متن و انگریزی ترجمہ) اور الآثار الباقیۃ (متن و انگریزی ترجمہ) اس کی یادگار ہے۔

کارل بروکلمان (K. Brockelmann) (۱۸۶۸ء تا ۱۹۵۶ء) امام المستشرقین ہے، اس کا غیر فانی کارنامہ تاریخ الادب العربی کی تالیف ہے (پانچ جلدیں، مطبوعہ لائیڈن) اس کی وسعت معلومات پر ایک طالب علم حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے، عالم عرب کی مطبوعات کے علاوہ امرتسر، دہلی اور بھوپال تک کی چھپی ہوئی کتابیں اس کی دسترس میں ہیں، ہمارے جہان کے کتب خانوں کی قلمی کتابوں کی فہارس اس کے پیش نظر ہیں، سوانح اور تراجم کی کتابیں اس کی نوک زبان ہیں، لیکن افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ اس کی تاریخ اسلام (جس کا عربی میں ترجمہ تاریخ الشعوب الاسلامیۃ کے نام سے ہو چکا ہے) اس کے دامن فضیلت پر بدنما دھبہ ہے، اس میں جا بجا یورپ کے روایتی مسیحی تعصب کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

) نے معجم اللغۃ العربیۃ کی جمع و ترتیب میں چالیس
نت کا مدار قدیم عربی کتب لغت پر ہے، المجمع اللغوی
جزا شایع ہوئے ہیں،
H. Ri، (۱۸۹۲ء تا ۱۹۷۱ء) نے اپنی عمر گراں مایہ کے
ں نادر کتابوں کی تلاش و تحقیق میں بسر کر دیے، عربی کتابوں کی
ں میں قائم کیا، جس کے اہتمام میں مقالات الاسلامیین
بد القاہر الجرجانی) (متن و جرمن ترجمہ) وغیرہ نہایت
صفدی کی الوافی بالوفیات عربی میں سوانح و تراجم کا
لدیں ریٹر اور اس کے رفقاء کے طفیل اب تک اشاعت پذیر

م اور ریٹر کا شاگرد رشید ہے، اس نے الجامع الصحیح البخاری
ب کتاب لکھی ہے، مجاز القرآن (ابو عبیدہ معمر بن مثنی)
رل بروکلمان کی تاریخ الادب العربی کو نظر ثانی
ں میں شایع کیا ہے، اب تک اس جلیل القدر کتاب کی
صنف کی فضیلت پر شاہد ہیں، اسے فیصل انعام بھی

رمن زبان میں ترجمہ تین جلدوں میں شایع کیا ہے،
ں بہتر اور مستند ہے۔
واقفیت اور شناسائی تمام تر جرمن مستشرقین کی علمی

مساعی کی مرہونِ منت ہے۔

جرمنی کی ہر یونیورسٹی میں عربی اور اسلامی کتب کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے، علوم اسلامیہ پر مباحث اور مقالات کے لیے مجلۃ الاسلام (جرمن) ہمبرگ اور مجلہ عالم الاسلام (لائپزگ) قابل ذکر ہیں، لائپزگ اور ویز باون کے عربی پریس صحتِ طباعت کے لیے سارے یورپ میں مشہور ہیں۔

آسٹریا ہنگری آسٹری مستشرقین کی توجہ زیادہ تر ترکی ادبیات تک محدود رہی ہے، ان میں سربرآوردہ عالمِ مشرقیات گولڈ تسیہر (۱۸۵۰ء تا ۱۹۲۱ء) تھا، جس نے قاہرہ جاکر مفتی محمد عبدہٗ سے بھی استفادہ کیا تھا، اس کی تصانیف میں حدیث کے مطالعات کی یورپی حلقوں میں بڑی دھوم رہی ہے، اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

عبدالکریم جرمانوس (۱۸۸۴ء تا ۱۹۷۹ء) نے اپنی زندگی کا آغاز شانتی نکیتن میں استاذ عربی سے کیا (۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۲ء) بعد ازاں انھوں نے جامعہ ملیہ جاکر اسلام قبول کر لیا اور قاہرہ پہونچ کر شیوخ ازہر سے علم کی تکمیل کی، وطن واپس آکر بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں ایک عرصہ تک صدر شعبۂ مشرقیات رہے، ترکی زبان و ادب کے متعلق ان کی تحقیقات اہم نتائج کی حامل ہیں، وہ حج سے بھی سرفراز ہوئے تھے۔

روس روس کی جامعات میں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کی تعلیم و تدریس کا انتظام بڑے عرصہ سے قائم ہے، روسی علماء نے الفارابی، ابن سینا اور البیرونی کی کتابوں کے روسی زبان میں تراجم شایع کیے ہیں، جدید عربی زبان کے ناولوں، ڈراموں اور افسانوں کی بیشتر تعداد روسی زبان میں منتقل ہو چکی ہے۔

علمی تحقیقات کے سلسلہ میں کراتشوفکی (۱۸۸۳ء تا ۱۹۵۱ء) کا نام خاص طور پر

ایڈورڈ ہنری پامر (سنہ ۱۸۴۰ء، سنہ ۱۸۸۲ء) عربی نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتا تھا، ترجمہ قرآن کریم اور دیوان البہاء زہیر (متن و انگریزی ترجمہ) اس کا بڑا کارنامہ ہے۔

ولیم رائٹ (سنہ ۱۸۳۰ء تا سنہ ۱۸۸۹ء) نے ڈوزی سے علوم عربیہ کی تکمیل کی تھی اس کا علمی کارنامہ الکامل (المبرد) کی تین جلدوں میں اشاعت ہے، عربی قواعد پر اس کی انگریزی کتاب نہایت مفید اور جامع ہے۔

سر ولیم میور (سنہ ۱۸۰۹ء تا سنہ ۱۹۰۵ء) سابق گورنر یو۔ پی (اترپردیش) لائف آف محمد اور تاریخ الخلفاء کا مصنف، یہ دونوں کتابیں متنازعہ فیہ چلی آرہی ہیں، سرسید نے لائف آف محمد کے جواب میں اپنی مشہور کتاب خطبات احمدیہ لکھی تھی۔

سر چارلس لائل، انڈین سول سروس کا ممبر اور سی۔ پی (مدھیہ پردیش) میں کمشنر تھا، اشعار جاہلیت اس کا خاص موضوع تھا، المفضلیات (الضبی)، بشرح الانباری (متن و انگریزی ترجمہ) کی اشاعت اس کی یادگار ہے۔

ایڈورڈ جارج براؤن (سنہ ۱۸۶۲ء، سنہ ۱۹۲۶ء) کیمبرج میں عربی و فارسی کے ممتاز استاذ تھے، تاریخ ادبیات ایران (چار جلدیں) ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے، چہار مقالہ (متن و انگریزی ترجمہ) اور لب الالباب کی اشاعت بھی ان کی علمی کاوش کی مرہون منت ہے۔

سر طامس آرنلڈ (سنہ ۱۸۶۴ء، سنہ ۱۹۳۰ء) علی گڑھ کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر تھے، سنہ ۱۹۰۵ء میں لندن یونیورسٹی کے استاذ عربی بن کر واپس چلے گئے، شبلیؒ اور اقبال کے علمی ذوق کو پختہ کرنے میں ان کا بڑا دخل ہے، ان کی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام (دعوت اسلام) کا اردو، عربی اور ترکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، اخیر زمانے میں ان کی توجہ کا مرکز اسلامی جمہوریتیں بن گئی تھی۔

ان میں ایک عرصہ تک قیام کرکے وہاں کے ادبا رسے ذاتی

ف میں قرآن مجید کا روسی ترجمہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔

) اس کی تصحیح و تحشیہ سے پہلی دفعہ شایع ہوئی، عرب جغرافیہ نویسوں

ی اس کی کتاب عربی میں ترجمہ تاریخ الادب الجغرافی کے نام سے

ی مطابع ترکستان بھر میں مشہور تھے، لیکن اب عربی کی دینی

ممنوع ہے، ادھر چند سالوں سے صرف قرآن پاک کی

نے لگی ہے۔

حات میں عربی زبان و ادب کے شعبے اٹھارہویں صدی

کول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز سنہ ۱۹۱۶ء سے کام

سر طامس آرنلڈ اور مسٹر گب اس درسگاہ سے وابستہ

شرقین اور ان کی علمی خدمات کا تذکرہ سطور ذیل میں

۱۷۳ء) نے انگریزی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا،

، اس کے مقدمہ میں مترجم نے عجیب و غریب خیالات کا

۱۸۷۶ء) : مد القاموس (عربی، انگریزی لغت) اس کی

نہایت معتبر اور مستند مانی جاتی ہے، الف لیلہ کا انگریزی

ہے۔

بے حد دلچسپی تھی، عربی زبان کے جدید ادب پر ان کی نظر بڑی گہری اور ناقدانہ تھی۔

امریکہ امریکہ میں استشراق کی تاریخ کی ابتدا انیسویں صدی کے اوائل سے ہوتی ہے، لبنان کے عیسائی فضلا امریکہ کی یونیورسٹیوں میں علوم عربیہ کا درس دیتے رہے ہیں، ان میں قابل ذکر فلپ خوری ہٹی ہے جس کی ہسٹری آف عربز (عربوں کی تاریخ) مقبول عام کتاب ہے، اس نے لبنان اور شام کی تاریخ بھی انگریزی میں لکھی ہے۔

جارج سارٹن (۱۸۸۴ء تا ۱۹۵۶ء) بلجیم کا رہنے والا تھا، لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد امریکہ چلا آیا تھا اور امریکی شہریت اختیار کر لی تھی، اسے عربوں کے علوم و فنون کی تاریخ سے بڑی دلچسپی تھی، اس شوق میں اس نے بیروت میں ایک عرصہ قیام کر کے عربی زبان سیکھی، اس کا عقیدہ تھا کہ صرف عربی زبان کے ذریعہ قدیم یونانی علوم و فنون تک رسائی ہو سکتی ہے، اور یونانی اور لاطینی زبانوں کے درمیان عربی ہی واسطۃ العقد ہے، اس نے کئی سالوں کی محنت شاقہ کے بعد انگریزی میں ہسٹری آف سائنس (Introduction to History of Science) (تاریخ العلوم) کے نام سے ایک کتاب پانچ ضخیم جلدوں میں لکھی ہے، جس میں مسلم علماء اور حکماء کے سائنسی کارناموں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس عظیم الشان کتاب کے بعض حصے عربی میں منتقل ہو کر قاہرہ سے شائع ہو چکے ہیں۔

فرانز روزنتال ایک جرمن مستشرق ہے، جو کسی امریکی یونیورسٹی سے متعلق ہے، اس نے مقدمہ ابن خلدون کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، مسلمانوں کی تاریخ نویسی کی تاریخ کے علاوہ اسلام میں علم کے تصور پر ایک بلند پایہ کتاب لکھی ہے، جو بے حد مقبول ہوئی ہے۔

خاتمہ ہمیں تسلیم ہے کہ بعض مستشرقین کی کتابوں میں یورپ کے روایتی مذہبی تعصب کی جھلک بھی نظر آتی ہے، ہمیں یہ بھی اقرار ہے کہ ان سے دانستہ اور نادانستہ غلطیاں بھی ہوئی ہیں لیکن

اہ، (مرجلیوث) (۱۸۵۸ء تا ۱۹۴۰ء) آکسفورڈ یونیورسٹی کا
بولتا اور لکھتا تھا، تفسیر بیضاوی (سورۂ آل عمران) اور رسائل
کا مشہور علمی کارنامہ ہے، معجم الادباء (یاقوت حموی) اور کتاب الانساب
وش کا نتیجہ ہے، اس کی لائف آف محمد علمی حلقوں میں تنقید
کی غلط بیانیوں کو دیکھتے ہوئے مولانا شبلی مرحوم کو سیرۃ النبیؐ

۱۹۴۰ء) کیمبرج یونیورسٹی میں عربی و فارسی کے استاد تھے، انہیں
ت دیوان شمس تبریز، کشف المحجوب (داتا گنج بخش ہجویریؒ)
ئے روم کے انگریزی تراجم ان کے قابل ستائش کارنامے ہیں،
ء تا ۱۹۵۳ء) نسلاً جرمن تھے، لیکن انگریزی قومیت
نھوں نے اپنا نام محمد سالم کرنکوی رکھ لیا، جمھرۃ فی اللغۃ
لدین الشیرازی، اور الدرر الکامنۃ (ابن حجر) اور
ا زندگی کا بہترین کارنامہ ہے۔

۱۹۰ء تا ۱۹۵۵ء) جامعہ مصریہ قاہرہ میں قدیم زبانوں کے
دین بن گئے، بعد ازاں کیمبرج یونیورسٹی میں شعبۂ عربی اور
ام سے انھیں بڑا شغف تھا، کتاب التعرف (الکلاباذی)
ت اور قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ ان کی یادگار ہے، نثر فارسی
ی کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

م بھی ذکر کے قابل ہے، عالم اسلامی کی تحریکات سے انھیں

ان کی تلاش و محنت اور شوق علم یا جنونِ علم کا کھلے دل سے اعتراف
م کے فاضلوں کی محنت کی بدولت اسلامی تاریخ، جغرافیہ، ادب،
سرے بہت سے علوم کے متعلق سیکڑوں کتابیں تصحیح و تعلیق سے
ریع ہو چکی ہیں، جن کے نام صرف کتابوں میں مذکور تھے۔
ں تکملہ لغات عربی میں ترتیب دیا، زخاؤ نے کتاب الہند کی تصحیح کی، ڈی خویہ نے
ون کو، رائٹ نے المبرد کی الکامل کو، وسٹنفیلٹ نے سیرت ابن ہشام کو،
جرجانی کی اسرار البلاغہ کو اور دوسرے مستشرقین نے سیکڑوں کتابوں کو
ح اور تحشیہ اور مختلف فہارس کے ساتھ چھاپ کر شائع کیا اس کیلئے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔
یس ۳۰ برس کی محنت شاقہ کے بعد کتب حدیث کا انڈکس بنام المعجم المفہرس لالفاظ
کے شائع کیا، جو عصر حاضر کا عظیم کارنامہ ہے، مسلم ممالک کی تاریخی عماروں اور
K.A.C. C، کریسول کی شہرۂ آفاق تصانیف بھی قابل توجہ ہیں۔
کو ادب سمجھا جاتا تھا، مستشرقین نے نثر کو بھی برابر کا درجہ دیا، ہمارے
مستشرقین نے ادبی تنقید کو بھی ادب کی مستقل اور اہم شاخ بنا دیا ہے
ت کی شناخت کے لیے ہم تمام تر مستشرقین کے مرہونِ منت ہیں
ن کی تاریخ ادبیات ایران، بروکلمان کی تاریخ الادب العربی
ند اور معتبر ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔
ے نوجوان علماء مستشرقین سے شوق علم، لگن اور محنت کا سبق
ور فروگذاشتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے علوم اسلامیہ کی خدمت
یا۔

* * *

قسطا ابن لوقا البعلبکی

دورِ عباسی میں طب کی ایک ممتاز شخصیت

از جناب نسیم احمد اعظمی، لٹریری ریسرچ یونٹ خدا بخش خاں لائبریری، پٹنہ

طب کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا کرنے کا دعویٰ بہت سے ملکوں نے کیا ہے، اس میں مصر، بابل اور ہندوستان قابل ذکر ہیں، لیکن ایک بات جو سب کے دعاوی میں مشترک طور پر ملتی ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی دور میں طب مذہب کے زیر اثر تھی، مذہبی رہنما اس کے وارث اور علمبردار قرار دیے گئے تھے، اور ہر طبی مسئلہ کا حل مخصوص مذہبی عقیدی کی روشنی میں تلاش کیا جاتا تھا، یونان کے عہد زریں میں طب کو مذہب کی گرفت سے آزادی ملی، اور ایک علم کے طور پر اس نے ترقی کی منزلیں طے کرنی شروع کیں[۱]، یونانیوں کے زوال کے بعد یہ علم روم ہوتا ہوا عربوں تک پہونچا، مزید عربوں نے مختلف مقامات سے کتابیں حاصل کرنا شروع کیں، اس دور میں یہ علمی مذاق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جہلا بھی کتابوں کا قابل قدر ذخیرہ رکھتے اور اس پر نازاں رہتے تھے۔

مسلمانوں کو عیسائیوں پر جب غلبہ حاصل ہوا تو خالد بن یزید بن معاویہ رضؓ (متوفی سنہ ۸۵ھ ۷۰۴ء) نے ماریانوس[۲] اور اصطافن القدیم کے ذریعہ فن کیمیا سے متعلق یونانی کتابوں کو عربی زبان میں

---

[۱] دیباچہ تجدید طب ص ۱ مرتبہ حکیم سید ظل الرحمٰن [۲] المنجد ص ۱۶۲ فی الادب و العلوم : الاب لویس معلوف الیسوعی۔

نی زبان سے عربی زبان میں یہ پہلا ترجمہ تھا[1] بعد میں عباسی
ۃ) نے رومی شہنشاہ کے پاس قاصد بھیج کر کتابیں منگوائیں،
ن میں ترجمہ کیا، مسلمانوں نے پڑھا، مزید اشتیاق پیدا ہوا،
۸۱۳ء، ۸۳۳ء) نے رومی شہنشاہ سے علوم فلسفہ کی جملہ
جواب ملنے پر مامون الرشید نے حجاج بن مطر، ابن البطریق
یا، کتابیں آجانے پر ان کا عربی میں ترجمہ کرایا، یونانی اور
رسی اور سنسکرت سے تراجم بھی تقریباً اسی دور میں ہوئے۔ اس
لی ترجمہ اور محاوراتی ترجمہ، پہلا انداز ابن البطریق اور ابن نعیمہ حمصی
ہری کا، ترجمہ کے سلسلے میں چار خاندان آل بختیشوع، آل ماسرجویہ
بی لی[2] مترجمین کی فہرست میں مذکورہ خاندان کے علاوہ حسب ذیل

ی بن حکم، جابر بن حیان، زکریا رازی، عثمان الدمشقی، ابن الناعمہ
بطریق، اصطفان بن باسل، یحییٰ بن ثابت، ابراہیم بن صلت
لندی اور قسطا بن لوقا۔

دسہ، نجوم، منطق اور طبیعیات کا محقق اور فن طب کا ماہر تھا،[4]
یقی سے بھی شغف تھا[5] اس کا وطن شام کا مشہور علمی شہر البعلبک تھا

لاسلامیۃ فی الہند ص ۲۶۲ از حکیم عبدالحی (اردو ترجمہ) [3] تاریخ طب
لی جعفری [4] طبقات الامم ص ۳۴ (اردو ترجمہ) قاضی ابوالقاسم صا
ب والعلوم۔

جس کو اہلِ یونان عقیدت و احترام کی وجہ سے "مدینۃ الشمس" کہتے تھے، وہ یونانی النسل تھا اور عقیدے کے اعتبار سے ایک کلیسا کا پیرو، مذہبیات میں بھی دخل ہونے کی وجہ سے انھوں نے ایک نسطوری پادری سے حضرت مسیحؑ کی ثنویت پر بحث کی تھی[1]

قسطا بن لوقا کے سنہ ولادت اور وفات کی تعیین اگرچہ بعض تذکرہ نگاروں نے کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمیں یقینی طور پر اس کا سنہ ولادت اور سنہ وفات معلوم نہیں ہے، ان سنین کی تعیین کے لیے ہم واقعات کی کڑیاں جوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں، تذکروں میں ہے کہ خلیفہ مستعین باللہ (۸۶۲ء - ۸۶۶ء) کے لیے Heron کی تصنیف "کتاب الاوزان والمکائیل" کا ترجمہ کیا تھا، ابوالحسن علی بن یحییٰ (۸۸۸ء، ۸۸۹ء) کے لیے کتاب المدخل الکلی فی علم النجوم المعتمد (۸۷۰ء، ۸۹۳ء) کے وزیر اسماعیل بن بلبل کے نام "کتاب فی شکل الکرۃ الاسطوانۃ" معنون کی، وہ المقتدر باللہ (۹۰۸ء، ۹۳۲ء) کے عہد میں زندہ تھا، کیونکہ المعتضد باللہ کے معاصر ابراہیم بن المدبر سے اس کے دوستانہ مراسم تھے[3]

سارٹن (Sarton) کا خیال ہے کہ قسطا بن لوقا کا انتقال ۹۱۲ء میں ہوا[4] صاحب المنجد کا بھی یہی خیال ہے[5] بعض ذرائع معلومات یہ بھی بتاتے ہیں کہ قسطا بن لوقا چونکہ المقتدر باللہ کے عہد (۹۰۸ء، ۹۳۲ء) میں تھا، لہٰذا وہ ۹۳۲ء تک باحیات رہا ہوگا[6] خدا بخش لائبریری پٹنہ میں قسطا کا ایک طبی مخطوطہ "کتاب فی الوباء اسبابہ" کے نام سے ملتا ہے، اس کے مطابق قسطا بن لوقا

---

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ص ۲۶ ج ۱۶/۲ شائع کردہ دانش گاہ پنجاب لاہور [2] ایضاً ص ۱۳۶ ج ۱۶/۲ [3] ایضاً ص ۱۳۶ ج ۱۶/۲ [4] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ص ۱۳۶ ج ۱۶/۲ شائع کردہ دانش گاہ پنجاب لاہور [5] المنجد ص ۴۱۶ فی الادب والعلوم [6] نوادر ص ۹۱ نوادراتِ خدا بخش لائبریری مرتبہ اطہر شیر طب العرب ص ۱۰۴ پر سال وفات ۹۲۳ء تحریر ہے۔

ماموں بن ماموں کے حکم پر لکھا تھا[1]، ابو العباس کو ۱۰۱۶ء میں
تک حیات رہا ہوگا، بعض تذکروں میں ہے کہ اس کی پیدائش
ستر یا اسّی برس کی عمر پائی[2]۔

فلسفہ، ہندسہ، ہیئت، حساب، موسیقی اور طب وغیرہ میں
ہر تھا، یونانی، سریانی اور عربی پر اچھی نگاہ رکھتا تھا[3]۔
و مترجم حنین ابن اسحاق العبادی (۸۱۰ء - ۸۷۳ء) سے
ہعصروں کا خیال ہے کہ وہ حنین کے مقابلہ میں دوسرے
فہرست میں حنین کا ذکر پہلے اور قسطا بن لوقا کا بعد میں کیا ہے[4]،
ابن اسحاق العبادی کی برتری کو تسلیم کیا ہے۔
بادی کی برتری کے معترف نظر آتے ہیں[5]۔ بہرحال قسطا بن لوقا
رف ہے، اس کے تراجم کے انداز، اسلوب نگارش اور طریقۂ ترتیب

لوقا شام سے روم چلا گیا اور وہاں کے دانشوروں سے کتابیں
یا، اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے عباسی خلفا میں سے

---

[2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ص ۱۳۷ ج ۱۶ / ۲ -
یضاً ص ۲۴۴ [5] ایضاً ص ۲۹۵ [6] ابن ندیم نے
پر کیا ہے اور قسطا بن لوقا کا ص ۲۹۵ پر کیا ہے۔
۱۳ ج ۱۶ / ۲ [8] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ

کسی[1] نے یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے عراق بلالیا[2]۔ وہاں انھوں نے تراجم کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ان ترجموں کی لسانی تصحیح بھی کی جو حنین بن اسحاق یا بعض دوسرے مترجمین نے کیے تھے[3]۔ اس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے قدیم یونانی علوم کو مشرق تک پہونچایا اور ان سے لوگوں کو متعارف کرایا[4]۔

ابن ابی اصیبعہ عبداللہ ابن جبرئیل کے حوالہ سے لکھتا ہے: زندگی کے آخری ایام میں آرمینیا کے بادشاہ سنحاریب نے اسے اپنے ہاں بلالیا اور وہ وفات تک وہیں رہا[5]۔ وہیں اس کی تکفین و تدفین بھی ہوئی، اس کے اعزاز میں اس کے مقبرے پر ایک قبہ تعمیر کرایا گیا، حالانکہ یہ امتیاز اس دور میں صرف امراء اور بلند مرتبہ مذہبی عہدیداروں کے لیے مخصوص تھا[6]۔

قسطا بن لوقا بہت ملنسار طبیعت کا تھا، معاصرین کے ساتھ اس کے روابط بہت خوشگوار تھے، مشہور فلسفی یعقوب بن اسحٰق الکندی (متوفی ۸۷۳ء) اس کا معاصر تھا، تذکروں میں ہے کہ اس نے متعدد لوگوں کی طرف اپنی تصانیف کا انتساب کیا، جن میں مذہبی اور سیاسی دونوں شخصیتیں شامل ہیں، انھوں نے مشہور ہیئت داں ابو عیسیٰ ابن المنجم کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات کے بارے میں ایک خط لکھا تھا[7]۔

---

[1] ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی تحقیق کے مطابق مامون نے طلب کیا ہوگا، ملاحظہ فرمائیں حاشیہ تاریخ الحکماء، اردو ترجمہ ص ۳۵۶ [2] تاریخ الحکماء ص ۳۶۱ (فارسی ترجمہ) ابن القفطی۔
[3] طبقات الاطباء ص ۲۴۴ جزء اول، ابن ابی اصیبعہ، الفہرست ص ۲۴۴ کے اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ص ۱۳۷ ج ۱۶ / ۲ [4] طبقات الاطباء ص ۲۴۴ جزء اول، تاریخ الحکماء، ص ۳۶۲، الاعلام ص ۸۰ خیرالدین زرکلی [5] ایضاً ص ۲۴۴، طبقات [6] تاریخ الحکماء ص ۳۶۱۔ [7] مختصر الدول ص ۲۵۹ ابی الفرج [8] عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۲۴۴ الجزء الثانی۔

ت کے بارے میں ہماری معلومات کا اصل ماخذ ابن ندیم کی
الانباء فی طبقات الاطباء " ہے، دوسرے تذکروں
ے ان کا تذکرہ معلومات بھی کتابی ہیں، اس کی تصانیف
ی اصیبعہ نے اس کی باسٹھ ۶۲ کتابوں کے نام بتائے ہیں [1]
اندلسی کی ہے [2] قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد الاندلسی نے
چونتیس ۳۴ کتابوں کا نام لکھا ہے [3] خیرالدین الزرکلی نے تقریباً
ت المسعودی نے متعدد تصانیف کے وجود کا اعتراف کرتے
حکیم عبدالحیٔ کے خیال میں قسطا بن لوقا نے ترجمہ، شرح
ھی تھیں [5]

ریاضی، ہندسہ، نجوم، فلسفہ، تاریخ، فلکیات، طبیعیات،
و فنون پر مشتمل ہیں، تصانیف اور فنون کا مختصر جائزہ

لاطینی ترجمہ ہی دریافت ہو سکا ہے، اس میں اس نے
تے ہوئے لکھا ہے کہ یہ موثر ہیں، ان کے سبب روح

ی کتابوں کے شکل اور غیر معروف مباحث پر مشتمل

---

۲۰ جزء اول [3] تاریخ الحکماء ص ۳۹۱ (فارسی ترجمہ)

ت ص ۲۹۵ [5] الاعلام ص ۴۰ جزء سادس [6] المجد

فی الہند ص ۴۰۵ (اردو ترجمہ)

اٹھایا ہے، اس کی ایک کتاب چند سال قبل شایع بھی ہو چکی ہے، خدا بخش لائبریری کی پٹنہ میں اس کا ایک نسخہ نظر سے گذرا ہے۔

ہندسہ :۔ اس موضوع سے متعلق ایک کتاب " المدخل الی علم الہندسۃ علی المسائل والجواب " کا پتہ چلتا ہے۔

نجوم :۔ اس موضوع پر اس کی گرانقدر تصنیف " المدخل الی علم النجوم " ہے۔

فلسفہ :۔ اس موضوع پر اس کی ایک مشہور کتاب " الفرق بین الروح والنفس " کا نام لیا جا سکتا ہے، اس میں اس نے روح اور نفس کے فروق کو بڑی خوبصورتی سے واضح کیا ہے، اور جہاں کہیں بھی عضویاتی افعال زیر بحث آئے ہیں وہاں اپنی بے پناہ طبی بصیرت کا ثبوت دیا ہے، اس کی یہ کتاب کافی مقبول ہوئی، عبداللہ بن الفضل نے اس موضوع سے متعلق اپنی کتاب میں اس سے خوب استفادہ کیا ہے جس کا لاطینی ترجمہ بھی ہوا ہے [1]

تاریخ :۔ اس موضوع پر کتاب الفردوس " لکھی جو غالباً آرمینیا میں مکمل ہوئی،

رنگ ریزی :۔ اس موضوع پر کتاب فی الخضاب " اور کتاب فی العلۃ فی اسوداد الحیش وتغیرہ من الراس " کا پتہ چلتا ہے۔

زراعت :۔ مترجم کی حیثیت سے قسطوس بن اسکوروس کینا کی تالیف " کتاب الفلاحۃ الرومیۃ " کا ترجمہ کیا تھا، لیکن اس ترجمہ کی پذیرائی نہ ہو سکی، اس کے مقابلہ میں سرجس بن ہلیا کا ترجمہ کافی مقبول ہوا [2]

فلکیات :۔ قسطا بن لوقا کی خدمات فلکیات پر بہت زیادہ ہیں، اس نے فلکی آلات سازی پر

---

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ص ۱۳۹ ج ۱۶ / ۲

[2] کشف الظنون ص ۱۳۲ ج ۵ حاجی خلیفہ۔

ہ اس کا کام اس قدر وقیع تھا کہ الفرغانی کی کتاب فلکیات
سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس موضوع سے متعلق کتاب
بن لوقا کی طرف غلط طور پر منسوب کر دیا گیا ہے، لیکن بعض
ی ہے[2]

ا کی دو کتابوں "المرایا المحرقة" اور "کتاب الاوزان"

قا کی کافی تصانیف ملتی ہیں، جن میں "کتاب[1] اوجاع
ا، رسالة[3] فی احوال الباه واسبابه علی طریق
الدخول الی علم الطب، کتاب[5] النبیذ وشوبه
فی الاغذیة علی طریق القوانین الکلیة کتاب[8] فی
ب البحرانات، کتاب[9] فی علة الموت فجأة، کتاب[10]
، کتاب[11] فی الاخلاط الاربعة وما تشترک فیه مختص
یاص من الامراض کتاب[13] فی تدبیر الابدان فی سفر
ب[15] فی حرکة الشریان، کتاب[16] فی العضو الرئیس
ب[18] فی الدم، کتاب[19] فی المرة الصفراء، کتاب[20]
، کتاب[22] الحمام اور کتاب[23] فی الوباء واسبابه

ن لائبریریوں میں قسطا بن لوقا کے مخطوطات کا پتہ

ارف اسلامیہ ص ۱۲۹ ج ۱۶/۲

چلتا ہے، ان میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رام پور اور کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد شامل ہیں، خدا بخش لائبریری میں چھ مخطوطات ثاؤذوسیوس[1] کی کتاب المساکن اور کتاب الاکر، ابقلاؤس[2] کی کتاب المطالع اور ارسطرخس[3] کی کتاب جرمی النیرین کے ترجمے اور ذاتی تصانیف میں کتاب فی الوباء واسبابه اور کتاب فی حفظ الصحة و ازالة المرض ملتے ہیں، آخر الذکر مخطوطے کا دوسرا کوئی نسخہ اب تک دریافت نہیں ہو سکا ہے[4]، رضا لائبریری کے کیٹلاگ کے مطابق وہاں پانچ مخطوطات محفوظ ہیں، ثاؤذوسیوس کی کتاب المساکن اور کتاب الاکر، ارسطرخس کی کتاب فی جرمی النیرین اور ابقلاؤس کی کتاب فی المطالع کے عربی تراجم اور ذاتی تصنیف کتاب فی تدبیر الابدان فی سفر الحج، کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کے مخطوطات کی مطبوعہ فہرست حصہ دوم کے مطابق وہاں صرف ایک مخطوطہ "الکتاب فی تدبیر بدن فی السفر" ہے[5]،

---

[1] یونان کا مشہور مہندس اور ریاضی داں جس کی تصانیف ان فنون پر کافی مشہور ہیں، اس کی تصنیف "کتاب الاکر" اتنی عمدہ ہے کہ علماء اسے المجسطی سے کم اور اقلیدس سے زیادہ مرتبہ دیتے ہیں (تاریخ الحکماء، ص ۱۶۶، اردو ترجمہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق) [2] یونان کا مشہور ریاضی داں جو اقلیدس کے بعد گزرا ہے، کتاب الاجرام والابعاد، کتاب المطالع اور اقلیدس کے چودہویں اور پندرہویں مقالہ کی اصلاح کی (تاریخ الحکماء، ص ۱۱۲، اردو ترجمہ) [3] فلسفہ کے لحاظ سے یونانی، مولد کے لحاظ سے اسکندری، علم الفلک کا فاضل، اس کی مشہور کتاب کتاب حل الشموس والقمر ہے (ایضاً: ص ۱۱۰) [4] خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری (پٹنہ) کیٹلاگ ص ۱۸ ج ۴ [5] رضا لائبریری رام پور کا آخر الذکر مخطوطہ اور آصفیہ حیدر آباد کا مخطوطہ دونوں ایک ہی ہیں۔

قا کے مخطوطات کی اس فہرست کو کسی طرح بھی مکمل نہیں کہا

ق کا ایک اہم موضوع ہے۔

ی حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ قسطا بن لوقا اپنے وقت کا عبقری تھا ہ دانی کے اثرات بڑے واضح اور دیرپا ہیں، مختلف فنون سے طب پر اس کی عالمانہ گرفت نے طب میں ایک معیاری ور میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، اس دور ئزہ کی ضرورت ہے، طب قدیم کے اسکالرس کو ایسی اہم توجہ دینی چاہیے، بلکہ ان پر تحقیقی کام بھی کرنا چاہیے۔

علوم و فنون ہندوستان میں

ت اسلامی علوم و فنون پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کی جامع فہرست ید عبد الحئی صاحب مرحوم نے الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ت عربی میں لکھ کر اس کمی کو پورا کر دیا تھا، جس کا افادہ صرف زید افادہ کے لیے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے، اس میں ہندوستانی صانیف کے ذکر کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی مکمل علمی و ئی ہے، اس طرح سے یہ کتاب ہندوستان کے اسلامی دور ترین کارآمد ماخذ اور اس کے طلبہ کے لیے ایک اہم کتاب ن صاحب ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء۔

”ض“

تیسری چوتھی صدی ہجری میں مرکزِ اسلام بغداد
میں
کتابیاتی سرگرمیاں

از جناب مولانا محمد عبد الحلیم چشتی، نائجیریا

عہد عباسی میں علوم کی کثرت و تنوع سے اہل علم کتابیات کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ ذخائر علوم سے آگاہی ہو، اہل علم کو اصل ماخذوں تک رسائی ہو اور حصول مواد میں کسی قسم کی دقت نہ ہو، عہد عباسی میں اس اہم کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لیے علماء اور مصنفین نے خود نوشت کتابیات کا سلسلہ شروع کیا، وراقوں نے مختلف کتب خانوں کے ذخائر سے فائدہ اٹھا کر اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں منتخب کتابیات تیار کیں، یہ سلسلہ اتنا پھیلا کہ کتابیات کو مختلف ناموں فہرس، فہرست، ثبت، تذکرہ، برنامج، مشیخہ و معجم سے یاد کیا جانے لگا۔

عہد عباسی کے اندر تیسری چوتھی صدی ہجری میں ہر موضوع پر ہر موضوعی کتابیات کی ترتیب و تدوین شروع ہو چکی تھی، چنانچہ یعقوب بن اسحاق کندی المتوفی سنہ ۲۶۰ھ/ ۸۷۳ء کی موضوعی کتابیات اٹھارہ ۱۸ موضوعات اور دو سو چھتیس ۲۳۶ کتابوں پر مشتمل تھی ان موضوعات پر کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) فلسفہ ۲۲ کتب و رسائل، (۲) منطق ۹، (۳) حسابیات ۱۱ (۴) کریات ۸ (۵) موسیقیات ۷، (۶) نجومیات ۱۵ (۷) ہندسیات ۲۳ (۸) فلکیات ۱۹ (۹) طبیات ۲۰ (۱۰) احکامیات ۱۰ (۱۱) جدلیات ۱۶ (۱۲) نفسیات ۵ (۱۳) سیاسیات ۱۲ (۱۴) احداثیات ۱۴ (۱۵) ابعادیات ۸ (۱۶) تقدمیات ۵ (۱۷) انواعیات ۳۲[1]۔

موضوعی کتابیات موضوعی کتابیات ارباب فن اور نامور اہل علم سے تیار کرائی جاتی تھیں چنانچہ حنین بن اسحاق (۱۹۴ھ/ ۸۱۰ء - ۲۶۰ھ/ ۸۷۳ء) نے علی بن یحییٰ کے لیے جالینوس کی کتابیات (فہرست جالینوس)

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست لابن ندیم۔ المطبعۃ الرحمانیۃ، مصر ۱۳۴۸ھ، ص ۳۵۸، ۳۶۵۔

یں ابن ندیم نے یہ کہا ہے کہ حنین کے بیشتر ترجمے سریانی میں تھے،
م اور عیسیٰ ابن یحیٰ نے جن کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا ہے وہ بھی
ر رازی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ ۹۲۳ء نے اس کتابیات پر استدراک
تب جالینوس مالم یذکرہ حنین ولا جالینوس فی فہرستہ
ل بیاتی دنیا میں تحقیق کا دائرہ یہاں تک بڑھایا کہ خود جالینوس سے
ج لگایا اور علمی دنیا کو واقفیت کے لیے پیش کیا،

نے ارسطو (۳۸۴ تا ۳۲۲ ق م) کی تصانیف اور ان کی شرح
مرتب کی تھی، ابن ندیم نے یہ فہرست یحیٰ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی
یت میں اس کتابیات کا ذکر نہیں کیا ہے[4] اور نہ القفطی
ہے[5] یہ اس امر کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس قسم کی کتابیات
قام پر ان کے بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔

ابو علی ابن مقلہ خطاط المتوفی ۳۲۸ھ نے طبقات پر مرتب
وئی یہ فہرست دیکھی تھی، اس نے اسی ترتیب والفاظ کے ساتھ
و مورخ ہشام کلبی المتوفی ۲۰۴ھ اور مدائنی المتوفی ۲۱۵ھ
ن ابن الکوفی المتوفی سنہ ۳۴۸ھ ۹۶۰ء کو اسی ترتیب و عنوانات کے ساتھ

مصر ۱۳۴۸ھ، ص ۴۰۳ [3] ایضاً، ص ۴۱۷۔
اً ص ۳۶۹ [5] تاریخ الحکماء للقفطی طبع لیپزگ سنہ ۱۹۰۳ء
ں ۱۸۲ [6] ایضاً ص ۱۴۰۔۱۴۳ و ۱۴۷۔۱۵۲۔

تیسری صدی ہجری کے اوائل میں مصنفین کی موضوعی اور دوسری قسم کی کتابیات تیار کیے جانے کا رواج ہوگیا تھا، چنانچہ جابر بن حیان المتوفی سنہ ۲۰۰ھ ۸۱۵ء کے نامور شاگرد خرقی کی تصانیف کی دو فہرستیں تھیں، ایک فہرست کبیر کیمیا اور دوسرے موضوعات پر تھی، اور دوسری فہرست صغیر تھی، جو صرف علم کیمیا کی کتابوں پر محیط تھی[1]

ابن ندیم بحیثیت فہرست نگار و کتاب شناس اور کتاب الفہرست کی خصوصیات

تیسری صدی ہجری میں ہر موضوع پر کتابوں کی کثرت کی وجہ سے اہل علم موضوعی کتابیات کی ترتیب کی طرف مائل ہوئے، پھر چوتھی صدی ہجری میں ابو الفرج محمد بن اسحاق الوراق الندیم نے فہرس الفہارس (کتابیات کی کتابیات) ترتیب دی، اس دور میں فہرس الفہارس کی اصطلاح ایجاد نہیں ہوئی تھی اس لیے ابن ندیم نے اس وسیع مفہوم کو حسب ذیل الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے:

> "یہ عرب و عجم کی ان تمام (منتخب) کتابوں کی فہرست ہے جو عربی زبان میں لکھی گئی تھیں یا مختلف علوم و فنون سے عربی میں منتقل کی گئی تھیں"[2]

ظاہر ہے ان کا احاطہ کتابیات کے بغیر کیسے ممکن تھا، غالباً اسی جامعیت کی وجہ سے ابن ندیم نے اس کتاب کا نام سیبویہ کی الکتاب کی طرح "الفہرست" رکھا، جو اس امر کا غماز ہے کہ یہ کتاب الفہرست علم کتابیات کی جملہ مروجہ معلومات و مدونہ کتابیات کو حاوی ہے، یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ محمد ابن اسحاق الندیم نے اگرچہ ہذا فہرست کتب جمیع الامم من العرب والعجم الموجود منہا بلغۃ العرب الخ کے الفاظ لکھے ہیں، لیکن کتاب کے مطالعہ و استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ "جمیع" کا لفظ کثرت کتب کے اعتبار سے لایا گیا ہے، اس سے مراد مصنفین وغیرہ کی مشہور و متداول کتابوں کا تذکرہ ہے، جیسا کہ ابن ندیم نے فقیہ زعفرانی المتوفی سنہ ۲۶۰ھ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ "ہمیں زعفرانی کی روایت کردہ

---

[1] ملاحظہ ہو الفہرست لابن الندیم ص ۵۰۰ [2] ایضاً ص ۲۹۷

نہیں، اس لیے کہ وہ زیادہ تر فنا ہو چکی ہیں اور تصنیف کے
کے متعلق کثیر التصانیف ہونے کی تصریح کرکے ان کی چند
لے بارے میں اس کا ومن کتبہ الخ[1] اور ولہ من الکتب
کے الفاظ لکھنا پھر فہارس کو موضوعی کتابیات مصنفین کو
مقام پر انہی کتابوں کو درج کرنا جن کو خود دیکھا یا معتبر لوگوں
کے دائرہ کو منتخب و متداول کتابوں تک محدود رکھنے
ں پائی جانے والی کتابوں کا بھی اندراج کیا ہے، اس لیے
بیات ہی نہ تھی بلکہ یہ رواں کتابیات بھی تھی۔
کے اندراج میں کتاب کے معروف وغیر معروف دونوں
سے فائدہ اٹھانے والے کو اشتباہ نہ ہو، مثلاً ابوعبدالرحمن
ہے کہ یہ کتاب السنن[4] یا وکیع کی کتاب الطریق نواحی

نسبت کو بھی ظاہر کیا گیا ہے، مثلاً محمد بن حبیب کے متعلق
سماعیل بن علیہ کی نسبت کہا ہے کہ علیہ ماں کا نام ہے[8]
بھی اشارہ کیا ہے، مثلاً قطرب کے معنی متحرک کناں کیڑا
دیمے سے ہی آجاتا تھا اس لیے اس نے اس کا نام ہی قطرب

---

۲۰ [3] ایضاً ص ۲۰۵ [4] ایضاً ص ۱۰۷، ۲۰۶،
[6] ایضاً ص ۱۳۶ [7] ایضاً ص ۵۵ [8] ایضاً ص ۸۰، [9] ایضاً ص

مصنفین کے علمی مقام کو واضح کرنے اور ان کی تصنیفات کی اہمیت کو بیان کرنے کے لیے امام فن کا قول پیش کیا ہے، مثلاً اصمعی کے بارہ میں کہا ہے کہ ابو العباس مبرد کا قول ہے کہ اصمعی شعر و معانی میں سب سے برتر ہے، یہی حال ابوعبیدہ کا ہے، لیکن وہ علم نسب میں اصمعی سے بلند تر تھا اور اصمعی علم نحو کا اس سے بڑا عالم تھا[1] اس نوع کے تبصرے متعدد مقامات پر کیے ہیں[2] الفہرست کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں تشریحی کتابیات کا آغاز ہو چکا تھا، چنانچہ ابن ندیم نے الفہرست میں کتاب کے طرز و انداز کو بھی بتایا ہے، مثلاً ابن قتیبہ کی کتاب ادب الکاتب کے متعلق لکھا ہے کہ یہ معارف ابن قتیبہ کی طرح ہے[3]

مصنفین کے طرز تصنیف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مثلاً کہا کہ فلاں مصنف کو تصنیف کا اچھا سلیقہ تھا[4] فلاں مصنف فلاں کے انداز پر کتاب لکھتا ہے[5] یا فلاں فلاں میں یہ فرق ہے اور ان میں فلاں زیادہ ماہر ہے۔ مثلاً فزاری اپنی تصانیف میں فلاسفہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے[6] ابو زید بلخی کی فلسفیانہ تصانیف فلاسفہ کی بہ نسبت اہل ادب سے زیادہ قریب ہیں، اس لیے ان کا ذکر بھی ادباء کے زمرے میں کیا گیا ہے[7] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں فہرست ساز اسالیب تصانیف پر بھی گہری نظر رکھتا تھا۔ الفہرست اس دور کی تصانیف کے اسلوب پر بھی روشنی ڈالتی ہے، کوئی کتاب اگر کسی مصنف سے منسوب ہوتی ہے تو اس کی طرف اشارہ کیا ہے[9]، کسی مصنف نے بہت سے موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں تو اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی کتابوں

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۸۲، ۱۳۶، ۱۴۰ [2] ایضاً ص ۸۰، ۲۱۶، ۱۳۷۔
[3] ایضاً ص ۹۲۔ ۱۲۶ [4] ایضاً ص ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۲۱ [5] ایضاً ص ۱۲۴، ۴۲۳،
۴۲۸ [6] ایضاً ص ۲۱۰ [7] ایضاً ص ۹۹، ۱۴۳ [8] ایضاً ص ۱۹۸۔
[9] ایضاً ص ۲۱۴ (تذکرہ فکری)

نظر سے بتایا ہے[1]

طرف اہل علم کی توجہ حسن ضبط کی[2] یا حسن خط کی وجہ سے رہی ہے[3]
اگر کسی خاص شہر میں ان کو قبول عام حاصل رہا ہے اس کو بھی
کے اشعار کی تعداد کو بھی بیان کیا ہے[4] کسی مشہور عالم کی کوئی

سودات ہی مطالعے سے گذرے ہیں تو اس کی طرف بھی اشارہ
از نہیں کیا ہے، چنانچہ بلخی فلسفی کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے
لکھے ہیں، لیکن کوئی پوری کتاب نہیں دیکھی، یہ کہا جاتا ہے کہ
یں[6] رازی نے اس کی تصانیف کو اپنی تصانیف قرار دیا ہے[7]
کی ہے[8]

اوراق کی تعداد بتائی ہے، ایک مقام پر تصریح کی ہے کہ
ہے، اس سے ورق سلیمانی مراد ہے جو بیس ۲۰ سطری ہوتا ہے،
بیان کیا ہے، تاکہ ان کے کلام میں کمی بیشی کی نشاندہی

کرنے کا خواہاں ہے وہ علی وجہ البصیرت اس سے آگاہ
ہیں[9]۔ اس کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ عہد عباسی میں
اہتمام کیا جاتا تھا۔

رست کی تدوین کی غایت اہل علم میں کتابوں سے متعلق

ذکرہ مرزی) ۱۹۰ (المرزبانی) [5] ایضاً ص ۱۲۰ ۔
۱۱۵ ۔ ۱۲۴ ۔ ۲۶۵ [8] ایضاً ص ۲۳۵ ۔ ۲۴۰ ۔ ۲۴۱ ۔
۲۸۵ (تذکرہ نوالصباح) [9] ایضاً ص ۲۲۶ ۔

مفید معلومات فراہم کرنا، ذخائر کتب میں اضافہ و انتخاب میں مدد و آسانی پیدا کرنا تھا، ان ہی مقاصد کے پیش نظر ایک مصنف کے نامور مصنفین کو تقدم و تاخر زمانی و مکانی اور ترتیب حروف تہجی کا لحاظ کیے بغیر ہر مقام پر ایک ہی جگہ بیان کیا ہے، پوری کتاب میں اس کا یہی انداز ہے[1] ابن ندیم کے بعد بھی فہرست نگاروں نے مذکورہ بالا اصول کو اپنایا ہے، جیسا کہ ابن خیر کی فہرست ما رواہ عن شیوخہ سے ظاہر ہے.

ابن ندیم نے کسی اہم کتاب کا نسخہ کسی کے پاس دیکھا ہے تو اس کی تفصیل پیش کی ہے، مثلاً کتاب القبائل والایام محمد بن حبیب اخباری المتوفی ۲۴۵ھ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ کتاب موصوف نے فتح بن خاقان کے لیے تصنیف کی تھی، اس کا اصل نسخہ ابوالقاسم بن ابی الخطاب بن فرات کے پاس دیکھا، یہ طلحی کاغذ پر تیس ۳۰ سے کم اجزاء پر مشتمل تھا، اس نسخہ کی ظاہری ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اصل مقدار سے کم ہے، اس کا ہر جزء دو سو ۲۰۰ یا اس سے زیادہ اوراق پر مشتمل تھا، اس نسخہ کی فہرست طلحی کاغذ کے پندرہ ۱۵ اوراق پر خط جرک میں تستری بن علی وراق کی لکھی ہوئی ہے، اور یہ فہرست قبائل اور ان کی سرگذشت ایام پر محیط ہے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کتاب سے اہل علم کو روشناس کرانے اور تعیین موضوع میں فہرست سازوں اور درجہ بندی کرنے والوں کی رہنمائی کے لیے تیسری صدی ہجری کے نصف اول ہی میں فہرست کتاب کے شروع میں لگانے کی ابتداء ہو چکی تھی اور اس اہم کام کے آغاز کا سہرا محمد بن حبیب بغدادی کے سر ہے[3]

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۶۵، ۲۰۹، ۲۱۰ [2] ایضاً ص ۱۵۵، ۱۵۶ [3] معجم الادباء یاقوت طبع دوم مطبعہ ہندیہ مصر ۱۹۲۵ء ج ۶ ص ۴۷۶ وکتاب المحبر از محمد بن حبیب مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۳۶۱ھ ص ۵۱۰، ۵۱۱ (کلمۃ اختتام للکتاب لمحمد حمید اللہ) ص ۵۱۰، ۵۱۱

ہرست مضامین کتاب کے لیے "ثبت" کا لفظ بھی استعمال
چنانچہ نضر بن شمیل المتوفی سنہ ۲۰۲ھ کی کتاب الصفات کے
بید نے غریب المصنف میں اس سے استفادہ کیا ہے،
ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے، جو من وعن نقل کرتا ہوں پھر
ہے"[1]

مصطلحات فن کو استعمال کیا، مثلاً زائدہ ابن قدامہ الشہید
۱۶۱ھ کی کتاب السنن کے لیے لکھا ہے کہ یہ انھی ابواب
جیسے کتاب الطہارۃ، صیام وصلوٰۃ وغیرہ[2]
لیے مثلاً دو لفظ عملہ علی حروف المعجم اور علی
کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلم مرتبین کتابیات نے
کیں جو اہل علم کی ترغیب کا باعث ہوئیں، یہی وجہ ہے
کاہی بھی اس دور میں اہل علم کو مطالعۂ کتاب پر آمادہ
بھی روشن ہوجاتی ہے کہ ابن ندیم نے کتابیاتی اندراجات
عتنا نہیں کیا، بلکہ قدیم نادر و نایاب کتب کی توجیہ
خی کتابیات پیش کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے۔
فراہم کرنے میں ان ماخذوں کی نشاندہی بھی کی ہے،
کتابوں کے نام کی تصریح کی ہے[3] اور جن علماء سے

---

۲۱ [3] ایضاً ص ۲۰۰، ۲۱۳، ۲۳۵۔

معلومات حاصل کی ہیں ان کا بھی حوالہ دیا ہے۔[1] کبھی دو فنون کی کتابوں کو ایک مقام پر دو عنوان سے پیش کیا ہے۔[2] بعض موضوع پر ایسی مشہور کتابوں کو جن کے مصنفین کا علم نہیں ہے ان کو بھی فہرست میں جگہ دی ہے۔[3] اپنے معاصر مصنفین کا ذکر مشہور و ہمعصر ہونے کی وجہ سے نہایت مختصر کیا ہے۔[4]

بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن ندیم نے بعض مقامات پر کتابیں بروقت دستیاب نہ ہونے یا ان کے مولفین کے متعلق معلومات فراہم نہ ہونے کی وجہ سے بیاض چھوڑ دی تاکہ معلومات حاصل ہوجانے کی صورت میں ان کا اضافہ کیا جاسکے، اس نوع کے اضافہ کا اختیار ناظرین کو بھی دیا ہے۔[5]

مندرجۂ بالا امور کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ کتابیات کی تاریخ کے اندر کتب خانے کے نقطۂ نگاہ سے تبصرے، تنقید و جائزے اور تعارف کتب کی طرح سب سے پہلے ابن ندیم نے ڈالی، نیز عہد عباسی میں کتاب کی ظاہری و باطنی ہیئت کو نمایاں کرنے کی سعی بلیغ کی، اگرچہ بعض علمی دشواریوں کی وجہ سے ہر جگہ ان امور کا التزام نہیں کیا جاسکا ہے، تاہم جہاں بسہولت ممکن ہوسکا مذکورۂ بالا امور کی روشنی میں کتاب کے ہر دو رخ کی تصویر کشی کی گئی ہے، آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی مخطوطات کی ظاہری و باطنی ہیئت کو نمایاں کرنے کے لیے مذکورۂ بالا امور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جو ابن ندیم کے وضع کردہ رہنما اصول کی افادیت و اہمیت اور مقبولیت کا نہایت بین ثبوت ہے۔

ابن ندیم پہلا ماہر کتابیات ہے جس نے چوتھی صدی ہجری میں کتابیاتی اندراج میں تنوع و وسعت پیدا کی اور کتابیاتی مواد کے قوام میں ایسے بنیادی اجزاء کو شامل کیا جن کے اندراج کے بعد کتاب کا پورا تعارف و تشخص ہوجاتا اور کتاب کے طلبگار کو کتاب کی ظاہری و باطنی ہیئت کو سمجھنے میں

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۴۳۲ [2] ایضاً ص ۱۲۶ [3] ایضاً ص ۳۵۴ [4] ایضاً ص ۳۰۸۔

[5] ایضاً ص ۲۰۴ (الزیدیہ)

او کے اندراج میں جن بنیادی اجزاء کو شامل کیا گیا ہے، وہ

ڈیشن (۴) مقام اشاعت (۵) ناشر (۶) تاریخ اشاعت کتاب
ت

ریں سے تین جزء (۱) مقام اشاعت (۲) ناشر (۳) تاریخ اشاعت
ور کیٹلاگنگ کے بنیادی اجزاء میں اس کا شمار کیا جاتا ہے، بقیہ
یا گیا ہے۔

ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کتابیاتی اندراج اور
ح کے ساتھ ابن ندیم کی وضع کردہ اساس پر عمل کیا جاتا ہے،
ر کے انتخاب، ساخت اور ان کی صحت نیز اس کی بنائی اور
و استحکام کی نہایت روشن دلیل اور اس کے ذہن کی جدت
ت، اس فن میں اس کی مجتہدانہ بصیرت کی شاہد عدل ہے۔

جب تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا اور کتابیں
نے لگیں تو علماء اور مصنفین اپنی کتابوں میں حسب ضرورت
ی صدی ہجری میں غالباً سب سے پہلے امام ابوعیسیٰ ترمذی
فن کی کتابوں کا حوالہ دیے اور اپنے پیش نظر ماخذوں کی
وف کتاب العلل میں رقمطراز ہیں:

رجال و تاریخ کی بیان کی ہیں وہ میں نے بخاری کی
فقہاء اور علل حدیث کے سلسلہ میں پیشوایان فن ہشام

بن حسن (المتوفی سنہ ۱۴۷ھ) عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (المتوفی سنہ ۱۵۰ھ) سعید بن ابی عروبہ (المتوفی سنہ ۱۵۶ھ) مالک بن انس (المتوفی سنہ ۱۷۹ھ) حماد بن سلمہ (المتوفی سنہ ۱۶۷ھ) عبداللہ بن المبارک (المتوفی سنہ ۱۸۱ھ) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (المتوفی سنہ ۱۸۲ھ) وکیع بن الجراح (المتوفی سنہ ۱۹۷ھ) عبدالرحمٰن بن مہدی (المتوفی سنہ ۱۹۸ھ) وغیرہ اہل علم و فضل کی تصانیف پیش نظر رہی ہیں[1]۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں دوسری اور تیسری صدی ہجری کے اندر تصانیف کا سلسلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک عالم دوسرے عالم کی کتابوں کا حوالہ دیتا تھا، حوالہ کی صورت بھی ترقی پذیر رہی ہے، چوتھی صدی میں جب ہر موضوع پر کتابوں کا ذخیرہ زیادہ فراہم ہوگیا تو مصنفین نے اوائل کتاب میں اپنے ماخذوں کی نشاندہی کرنا ضروری قرار دیا تاکہ قاری کو موضوع سے متعلق مصنف کے پیش نظر تحقیقی و مستند نسخوں کا علم ہو سکے اور اقتباسات کو سمجھنے میں مدد مل سکے، نیز مصنف کی کتاب بھی مستند سمجھی جائے، کبھی ایسا کیا جاتا تھا کہ مصنف کتابیات کی وضاحت جداگانہ رسالہ میں کرتا تھا، چنانچہ ابوداؤد سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ/۸۸۹ء نے کتاب السنن کی کتابیات ایک مستقل رسالہ میں جو رسالۃ ابی داؤد الی اہل مکہ فی وصف سننہ کے نام سے موسوم ہے، بیان کی تھیں[2]۔ ان مقاصد کے پیش نظر مصنف ابتدا میں کبھی کتابوں کے نام نقل کرتا اور کبھی کتاب کے آخر میں ذکر کرتا اور بعض مواقع پر دوران بحث دوسرے مصنفین کی شہادتوں پر اعتماد کرکے حوالوں سے کتاب کو زینت دیتا جو اس کے خزائن کتب یا اس کی دسترس میں نہیں ہوتی تھیں، تاکہ جب کبھی اور جہاں کہیں قاری کو وہ کتابیں مل سکیں، وہ ان سے استفادہ

---

[1] ملاحظہ ہو سنن الترمذی، مطبع العلوم دہلی، سنہ ۱۲۶۵ھ، ص ۶۴۷۔ [2] رسالۃ ابی داؤد الی اھل مکۃ فی وصف سننہ، تحقیق محمد الصباغ، اضواء الشریعۃ عدد پنجم۔ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۴ھ، ص ۲۷۸۔

۳۹ھ نے معجم مقائس اللغۃ میں کتابیات کے اس اسلوب کو اختیار
پانچ کتابوں، کتاب العین خلیل، کتاب غریب الحدیث ابوعبید،
الجمہرۃ ابن درید کو بیان کرکے لکھا کہ ان کے علاوہ لغت کے موضوع
نظر رہی ہیں، ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کتابوں سے ماخوذ ہے[1]
ان مصنفین نے تیسری صدی ہجری میں کتاب کے آخر میں اور
میں کتابیات پیش کرنے کی جو اساس قائم کی تھی، اس پر بادنیٰ تصرف
اری کی مصنفین اور کتابوں تک رہنمائی میں مدد دیتا اور کتابیاتی

ی ہجری میں کتابیات کے استعمال کا رواج عام ہوگیا تھا مورخ
نے الانباہ علی قبائل الرواۃ میں جن کتابوں سے استفادہ
م شمار کرا کر کہا ہے:

بنیادی کتابوں سے ترتیب دیا ہے، جن میں (۱) کتاب
(۲) کتاب ابی المنذر ہشام بن محمد بن سائب
ہ معمر بن المثنی (۴) کتاب محمد بن عبدہ
لد بن حبیب (۶) کتاب نسب قریش ابوعبد اللہ
بن عدی (۷) کتاب نسب قریش زبیر بن بکار
صعب بن عبد اللہ زبیری (۹) کتاب انساب
(۱۰) کتاب علی بن عبد العزیز جرجانی (۱۱) کتاب

عبد الملک بن حبیب الاندلسی۔ اس کے علاوہ فقرے اور جملے میں نے حدیث و آثار اور کتب تاریخ و ادب سے لیے ہیں[1]۔"

موصوف نے جب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لکھی تو اس میں بھی کتابیات کو آغاز کتاب میں بیان کیا اور فرمایا:

"میں نے اس کتاب میں جو لکھا ہے وہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے، ابن اسحاق کی کتاب سے، طبقات واقدی سے[2]، تاریخ واقدی سے منقول ہے[3]۔ بعض کتابیں نہیں مل سکیں، ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالے سے نقل کیا، ان کو بھی بتادیا ہے، مثلاً ہم نے جو مصعب بن عبد اللہ، ابن المدائنی اور ابومعشر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کتاب ابن ابی خیثمہ سے ماخوذ ہے[4]، تاریخ بخاری، تاریخ ابو العباس محمد بن اسحاق سراج، ابن جریر طبری، ذیل المذیل ابو البشر دولابی کی کتاب المولد والوفاۃ سے مستفاد ہے[5]۔ صحابہؓ کی جنگ، شہادت، آنحضرتؐ کی زیارت، ملاقات، اسلام یہ باتیں طبقات کبیر ابن سعد سے لکھی ہیں، اس کے علاوہ جو باتیں ہیں، وہ ابو علی سعید بن عثمان بن السکن کی کتاب "الحروف فی الصحابہؓ" اور ابومحمد جارود کی کتاب الصحابہ، کتاب ابوجعفر عقیلی اور کتاب ابن ابی خیثمہ سے منقول ہے، میں نے ابن ابی حاتم رازی کی کتاب اور ازرق دولابی یعقوبی کی کتاب الصحابہ کا بھی مطالعہ کیا ہے، اس کتاب میں ان کتابوں کے علاوہ بھی معلومات ہیں جو شیوخ سے سنی ہیں[6]، اور انساب کی کتابوں کا تذکرہ ہم نے کتاب الانباہ میں کیا ہے[7]۔

---

[1] البابی الحلبی قاہرہ ۱۳۶۶ھ ج ۱، ص ۳-۵

---

[1] ملاحظہ ہو الانباہ علی قبائل الرواۃ ص ۴۵-۴۶ یہ کتاب القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم کے ساتھ مطبعۃ السعادۃ قاہرہ سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی تھی۔ [2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب تحقیق علی محمد البجاوی مطبعۃ نہضۃ مصر ۱۳۸۰ھ ج ۱ ص ۲۰-۲۱ [3] ایضاً ص ۲۲ [4] ایضاً ص ۲۳ [5] ایضاً [6] ایضاً ص ۲۴ [7] ایضاً ص ۲۵۔

ی کے کلام کا ایک قدیم مجموعہ

از

اتون، لکچرر شعبۂ فارسی، (د) یونیورسٹی۔

ین محمد بن عبد الکریم تھا شمس اواخر چھٹی اور اوائل ساتویں صدی
کا تذکرہ لباب الالباب عوفی (تالیف ۶۱۸ھ) اور آثار البلاد

یت سے پایا جاتا ہے، عوفی اس کا معاصر تھا، اور اس نے
م الملک کے دربار میں دیکھا تھا، اسی وزیر کی مدح میں شمس طبسی
بس خراسان سے تھا، وہ رضی الدین نیشاپوری کا شاگرد اور

کو اس عہد کے تین[۳] اور ہم نام شعراء سے بہتر بتایا ہے، اور
اس کے اشعار خاقانی سے بہتر ہوتے تھے، سال وفات ۶۲۴ھ

تھا، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شعرائ
ت نقل ہیں، اس سلسلہ میں مونس الاحرار کلاتی (۷۴۱ھ)
عہ لطایف و سفینۂ ظرایف ہروی (۸۰۲ھ) مجموعۂ قصائد
یا، ان میں سب سے زیادہ جاجرمی نے اپنے مجموعہ میں اس کے

اشعار شامل کیے ہیں۔

شمس طبسی کے دیوان کے نسخے کم پائے جاتے ہیں، ایرانی دانشمند تقی بینش نے جن کی توجہ سے دیوان کا ایک انتقادی متن شائع ہوا ہے، سات نسخوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے دو نہایت قدیم ہیں، ایک چیسٹر بیٹی کلکشن ڈبلن میں ہے، جس کی کتابت ۹۹۹ھ میں ہوئی، اور دوسرا نسخہ انڈیا آفس لندن کا ہے، جو ۱۰۱۳ھ کا مکتوبہ ہے، اور نسخے دسویں صدی سے لے کر چودھویں صدی ہجری کے ہیں۔

شمس طبسی کے دیوان کا ایک مجموعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانہ میں ہے، جس کی کتابت ۱۰۲۱ھ میں ہوئی، گویا اس شاعر کے تمام دریافت شدہ نسخوں میں باعتبار قدامت اس کا تیسرا نمبر ہے، اس لحاظ سے اس نسخہ کی اہمیت اظہر من الشمس ہے، اس میں چونتیس[۳۴] ورق ہیں، ہر صفحہ میں تیئیس[۲۳] سطریں ہیں، درمیان سے چند ورق غائب ہیں، ابتدا اور انتہا محفوظ ہے، خط نسخ ہے، لیکن بڑے اہتمام سے اس کی کتابت ہوئی ہے، قصیدے عنوان کے ساتھ ہیں، یہ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں، کتابت کا یہ التزام قابل توجہ ہے کہ ہر دو مصرع کا آخری لفظ سرخ روشنائی میں ہے، اس مجموعہ میں ترپن[۵۳] قصیدے اور دس[۱۰] رباعیاں ہیں، موجودہ حالت میں اشعار تقریباً ڈیڑھ ہزار ہوں گے، شمس طبسی نے زیادہ اشعار نہیں کہے ہیں، رضا قلی خاں ہدایت کے مجمع الفصحاء میں اشعار کی تعداد تقریباً دو[۲] ہزار لکھی ہے، تقی بینش مصحح دیوان شمس طبسی نے جو نسخہ مرتب کیا ہے اس میں دو ہزار دو سو اٹھاسی[۲۲۸۸] اشعار ہیں، اس میں چونسٹھ[۶۴] قصیدے، اکیس[۲۱] قطعے، پانچ[۵] غزلیں اور اٹھائیس[۲۸] رباعیاں ہیں، ان کے علاوہ ان کے تین[۳] قصیدے، تین[۳] قطعے، ایک غزل، تین[۳] رباعی اور ایک مستزاد کی نسبت مشکوک ہے، البتہ اس بات کا بخوبی امکان ہے کہ اصل نسخہ زیادہ منظومات پر مشتمل تھا، علی گڑھ کے نسخہ میں غائب شدہ اوراق کی تعداد کا قطعی تعین نہ ہو سکنے کی وجہ سے

زمانہ از پے آں زد سپید مہرۂ رعد   کہ گل ز تخت چمن لاف بخت دارا زد
جمال زہرہ پس پردۂ خجالت ماند   زبسکہ بلبل خوش نغمہ راہ عنقا زد
ہوا نگہ کہ ز پس پرتو تجلی برق   چو شعلہ در دل سنگین طور سینا زد
مگر ز غیرت دامن زمانہ آگہ نیست   کہ بر عذار جہاں آبروئے عذرا زد
بگوش بلبل آشفتہ دل چہ وعدہ پیچ   کہ روز و شب ز پے آں در تقاضا زد
زہے بتے کہ دل آفتاب گوہر دلد   زعکس روئے تو چوں تیغ زنگ سودا زد

(۴) سنہ کتابت آخری صفحہ پر لفظوں میں سات سو اکیس ہجری درج ہے، کاتب کا نام مٹا ہوا ہے، صرف "الجیلانی" پڑھا جاتا ہے، شروع میں ایک طلائی شمسہ کے اندر "دیوان الد شمس بن طبسی" بڑے اہتمام سے درج ہوا ہے۔

(۵) یہ نسخہ گولکنڈہ کے قطب شاہی سلاطین کے کتاب خانے میں رہ چکا ہے، چنانچہ سرورق پر ابراہیم قطب شاہ (سنہ ۹۵۷ھ - ۹۸۸ھ) محمد قلی قطب شاہ (سنہ ۹۸۸ھ - ۱۰۲۰ھ) اور محمد قطب شاہ (سنہ ۱۰۲۰ھ - ۱۰۳۵ھ) تینوں بادشاہوں کی مہریں ثبت ہیں، اوپر ابراہیم قطب شاہ کی مہر ہے، جس کا سجع یہ ہے:

شہے کہ نقش نگیں ساخت مہر آل مقیم   بود بسپہر کرم قطب شاہ ابراہیم

اس کے نیچے ایک بڑی مہر محمد قلی قطب شاہ کی ہے، اس کا سجع حسب ذیل ہے:

ملک جہاں مرا کہ بزیر نگیں شدہ   از حکم بادشاہ جہاں آفریں شدہ

تیسری مہر کا سجع پڑھا نہیں جا سکا ہے۔

(۶) اس مجموعہ کے ابتدائی اٹھائیس ۲۸ قصیدے اسی ترتیب سے ہیں، جیسا کہ انڈیا آفس کے نسخے کے ہیں، یہ نسخہ سنہ ۱۲۱۳ھ کا ہے اور صحت متن کے لحاظ سے بقول تقی بینش نہایت قابل توجہ ہے،

مندرجات نسخہ ہذا سے الگ ہو چکے ہیں، بہرحال اس میں نہ غزلیں
وں کے اصل نسخے میں شامل ہونے کے امکانات بھی کم ہی معلوم

یں چند امور نہایت درجہ قابل توجہ ہیں:
مختلف مواقع پر اشعار کا اضافہ ہوا ہے، بعض جگہ متعدد صفحات
ضافے خاصے پرانے ہیں، ایک جگہ احل ی د الف سنہ

تی ہے، وہاں ورق یا اوراق غائب ہیں اور اس سے فوراً پہلے
واضحاً کچھ رباعیاں مفقود ہیں، ممکن ہے ایک آدھ قصیدہ بھی

ایک قصیدہ شروع ہوتا ہے جس کا مطلع یہ ہے:
ں گشادہ   کلک ظفر پیام تو ملک جہاں گشادہ
ر یہ قصیدہ ناتمام ملتا ہے اور اس کے فوراً بعد ایک قصیدہ کا

باغ   زغنچہ زو گر تقدیر حبام می تازد
ابل سے معلوم ہوا کہ اس قصیدہ کے ابتدائی آٹھ شعر غائب

۲۱۵
زد   گل از حجاب عدم خیمہ سوئے صحرا زد

ت   کہ بر سپہر شفق وار عکس صہبا زد

ی یکسانی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اصل نسخے کی ترتیب اسی طرح رہی ہوگی،
نی قصیدے کا مطلع یہ ہے:

صہ تحقیق راہ یافت   درسایۂ سرادق عزت پناہ یافت

ی تعالیٰ میں ہے، اس بنا پر اصل دیوان میں اس کا سب سے پہلا قصیدہ
جاجرمی نے منجملہ اور قصیدہ کے توحید کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

ں مندرج حسب ذیل تین قصیدے کسی اور نسخے میں نہیں پائے جاتے:

کر لمعۂ شہابی   یا عکس نور گستر شمشیر آفتابی
(ورق ۸ ۹۱)

ن محمد نظام الملک کی مدح میں ہے، جس کے لیے شمس طبسی نے متعدد
نچہ اس قصیدہ کے متصل پہلے والا قصیدہ:

زلفِ تو شد کمیں گہ آشوب روزگار

ں ہے:

وست اماں گشادہ   کلک ظفر نیام تو ملک جہاں گشادہ

بیات ورق گم ہو جانے کی بنا پر مفقود ہیں؛ تیسرا قصیدہ رباعی کے
دہ ہونے کی وجہ سے پڑھا نہیں جاسکا، اس کے چند ہی اشعار ہیں، مطلع
ہیں:

یر آسمانی ... ... (ورق ۳۴ ب)

رف دس رباعیاں ہیں ان میں سے کوئی کسی نسخے میں شامل نہیں، یہ
اس پر کاغذ چسپاں ہے، اس سے اس کے پڑھنے میں خاصی دقت اٹھانی

پڑی ہے، آخری دو رباعیاں بالکل نہیں پڑھی جاسکی ہیں، جتنا کچھ پڑھی جاسکی ہیں، وہ ذیل میں درج ہیں:

ایں خط کہ رخ ترا ہمی آراید   طوطی ست کہ بر بوئے شکری آید
گر دل بری شکر فروشی شاید   زاں پیش کہ طوطی شکرت می باید

از عشق تو در تنم رواں می سوزد   شرحش چہ دہم کہ بر چہ ساں می سوزد
از دل ...... چو کنم رگِ جاں می گسلد   ور گریہ چو شمعم دل و جاں می سوزد

گر یار بر اندکی کہ اندر دل چیست   یا گفت .... کی دلدارم چیست
بوذی کی ..... دل نیائستی مرد   بوذی کہ بکام دل بشائستی زیست

کو دل کہ خون جگر آرم باد   یا صبر کہ روزے بسر آرم باد
کو شیفتہ و تیرہ روزے چوں من   تا در غم او دمے بر آرم باد

دوش از غم تو ... دیدہ بہم نزدم   ور زانکہ زدم بدانکہ دم نزدم
زا ..... کہ دم ... کند آتش دل   یا روز ہمی سوختم و دم نزدم

اے چشم من از سراب سیم آ . لی   وے اشک من از پستۂ تو عنابی
در نرگس چشم تو عجب می مانم   کو تازہ چگونست بدیں بے خوابی

... ... از ملک جہاں می خواہی
طغیانی اشک من ببیں و دور مشو   گر سبزہ و گر آب رواں می خواہی

پرگل مر مردہ مگیر (؟)   او مردہ است خردہ بر مردہ مگیر
بر کنارت طبقی زر دارد (؟)   بے خرد کی ار چہ کند خردہ مگیر

مجموعۂ کلام شمس طبسی کا یہ نسخہ املائی اعتبار سے قابل توجہ ہے، اس کی حسب ذیل خصوصیات ہیں:

(۱) دال اور ذال کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے، جیسے بود کے بجائے بوذ، شود کے بجائے شوذ،

ے داذہ، دیدم کے بجائے دیذم، امید کے بجائے امیذ،

عایذ وغیرہ۔

بجائے 'کی'، جیسے یہ بیت ملاحظہ ہو:

ں جواب داد کی ہستی دریں حدیث صدق

شکل میں ملتا ہے، جیسے:

تو کہ اکسیر دولت است

لی ہندی نژاد نخ

رت میں جیسے:

ابلہ، مہربان بخت الخ

تا ہے جیسے بگوش، اسی طرح 'نہ' جو فعل منفی کی علامت

ی پیوست اور کبھی جدا ملتی ہے، 'است' دوسرے
گشتست۔

ں:

، یعنی سحاب نیستی۔

جو ہائے مختفی پر ختم ہوتے ہیں، جیسے:

ہٗ روز برگرفت

(یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہائے ملفوظ میں ہمزہ کا استعمال نہیں ہے، جیسے کنہ ریاضی)

(ج) واو عطف پر جیسے: چرخ وُ مدار فلک

(د) ایسے تمام الفاظ خواہ فارسی کے ہوں یا عربی کے، اگر الف پر ختم ہوتے ہیں تو اس میں اکثر وبیشتر اضافت رہے، جیسے ہوا و سینہ، سلیہار۔

(ہ) یائے تنکیر کی صورت میں جیسے

دیدۂ تر دامنم گشتست دریائی بزو

(اکثر ایسے الفاظ جو 'ی' پر ختم ہوتے ہیں، اضافت کی صورت میں نہ ان کے اوپر ہمزہ ہے اور نہ نیچے زیر جیسے طوطی ہندی نژاد)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ طاوس جیسے لفظ محض ایک واو سے ملتے ہیں، اور وہ بھی بدون ہمزہ اسی طرح رای، سوی، روی، موی بغیر ہمزہ آئے ہیں۔

(۸) 'ی' کے املا میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس نسخہ میں عام رواج کے برخلاف اس کے نیچے دو نقطے نہیں ملتے، جیسے طوطی، ہندی میں نقطے نہیں ہیں۔

(۹) گ، پ، چ، کاف، بے اور جیم سے ظاہر کیے گئے ہیں، لیکن ژ پر تین نقطے ہیں، ش، ث پر تینوں نقطے ہیں، 'س' سادہ ہے، اس کے نیچے تین نقطے جو بعد میں بہت ملتا ہے نہیں ہیں۔

(۱۰) مد اور تشدید کا اکثر التزام ملتا ہے۔

دیوان کے اس اہم نسخے کے انکشافات سے کئی فوائد متصور ہیں۔

اول یہ کہ کم از کم تین قصیدے (ایک مکمل اور دو نامکمل) اور دس رباعیاں اس نسخے کی بدولت ایک ایسے شاعر کی دستیاب ہوئی ہیں جس کا کلام دو ہزار ابیات سے کچھ ہی زائد ہے، یہ

، جس کا تذکرہ فارسی کے اکثر تذکرے اور تاریخ کی

ب اہم بیاضوں کی زینت ہے۔

قدانہ متن تیار ہوا ہے، علی گڑھ کے نسخے کی مدد سے

، ضمناً عرض ہے کہ تقی بینش نے ایک قصیدہ کو جس کا

خوارشد خسرو ولایت شام

دیکھیے ص ۱۱۹ - ۱۲۰) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قصیدہ

ے شامل ہے، لیکن یہ قصیدہ ہمارے پیش نظر نسخے

ے پاک ہے، اور یہ یقیناً شمس طبسی کا اپنا قصیدہ ہے،

ں ہے، جس کی تعریف میں طبسی کے چند اور قصائد

یک اور قابل ذکر نسخے کا اضافہ ہوا ہے۔

ں فارسی کے چند قدیم ترین نسخوں میں اس کا شمار ہے،

علوم ہو سکا ہے، لیکن یہ دونوں نسخے مختلف شعراء

ہ کے کہ یہ کسی مجموعہ میں شامل نہیں، بلکہ الگ نسخہ ہے،

خیرہ میں ہے، اس نسخہ میں حسب ذیل دس شاعروں

اسع جبلی، رشید وطواط، ابو الفرج رونی، ازرقی

روی اور انوری ہیں۔

۹ھ ہے، جو نسخہ میں کئی جگہ مذکور ہے، شمس طبسی کا کلام

گیارہ اوراق پر مشتمل ہے، لیکن اس کے ابتدائی آٹھ ورق غائب ہیں، یہ نسخہ مصور ہے، اس کے مندرجات کی تفصیل دیوان شمس طبسی تصحیح تقی بینش تعلیقات ص ۱۴۳ تا ۱۴۵ مندرج ہے۔

دوسرا نسخہ انڈیا آفس لندن کا ہے، یہ ۶۱۳ھ کا ہے، کاتب کا نام عبدالمومن علوی کاشی ہے، یہ نسخہ بھی ایک مجموعہ میں شامل ہے جس میں حسب ذیل چھ شاعروں کے دیوان کا انتخاب پایا جاتا ہے: امیر معزی، اثیر اخسیکتی، ادیب صابر، نظام الدین محمود قمر اصفہانی، شمس طبسی، ناصر خسرو، یہ نسخہ مصور ہے، اس میں شمس طبسی کے کم و بیش دو ہزار اشعار ہیں، تقی بینش کے انتقادی متن میں شمس طبسی کے دیوان کا یہ حصہ جو اس مجموعہ میں شامل ہے، بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

ان دونوں نسخوں کی اس قدر تفصیل سے اندازہ ہو سکے گا کہ علی گڑھ کا نسخہ نہایت اہم ہے، اور شمس طبسی کے کلام کی اشاعت میں اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سلسلۂ شعر العجم

(از مولانا شبلی نعمانیؒ)

حصۂ اول | میں فارسی شاعری کی تاریخ اور عہد بعہد ترقی کے علاوہ اس کے خصوصیات و اسباب پر مفصل بحث کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور شعراء مثلاً رودکی، دقیقی، عنصری، دور غزنویہ کے مشہور شاعر فردوسی مصنف شاہنامہ، اسدی، طوسی، منوچہری، دامغانی، حکیم سنائی، عمر خیام، انوری، نظامی گنجوی کا مفصل تذکرہ اور ان کی شاعری پر تقریظ و تنقید ہے۔ قیمت — ۱۵

حصۂ دوم | دوسرے حصہ میں شعرائے متوسطین (خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ و ابن یمین تک) کا تذکرہ اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے۔ قیم

حصۂ سوم | شعرائے متاخرین (فغانی سے ابو طالب تک) کا تذکرہ مع تنقید کلام۔ قیمت

حصۂ چہارم | میں ایران کی آب و ہوا، تمدن اور دیگر اسباب کے شاعری پر اثرات و تغیرات دکھائے گئے ہیں اور مثنوی پر تبصرہ ہے

حصۂ پنجم | میں قصیدہ، غزل اور فارسی کی عشقیہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ و تنقید ہے۔ قیمت

تحت یہ تحریک کام کر رہی ہے، مستشرقین پر صرف الزام تراشی کافی نہیں بلکہ ان کے زہر کا تریاق پیش کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں اس بات سے خوشی ہے کہ دار المصنفین کی خدمات اس لحاظ سے نہایت قابل قدر ہیں کہ اس نے اسلامی تاریخ کو زیادہ سے زیادہ معتبر بنا کر لکھوایا اور طبع کیا، مستشرقین کا خاص نشانہ اسلامی تاریخ ہی ہے جس کو انھوں نے محرف اور مسخ کرنے کی دانستہ کوشش کی، اسلامی تاریخ کے غیر اہم واقعات کو اہم بنا دیا اور اہم واقعات میں برے پہلو دکھائے، اسلامی تاریخ کے بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کی واقعیت اور حقیقت میں کلام ہے، لیکن مستشرقین کے نزدیک انہی کی اہمیت ہے، اسلام اور مسلمان مخالف تحریکوں کو انھوں نے مرکزی حیثیت دے دی، اسلامی تاریخ میں جو فتنے اٹھتے رہے وہ ان کی نظر کو بھائے اور انہی کو اہمیت دے کر مسلمانوں کو اصلی اسلامی فکر سے دور کرنے کی کوشش کی، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ مستشرقین کی کتابوں میں جو غلطیاں ہیں وہ سامنے لائی جائیں، پھر اسکول اور کالج کے طلبہ کے لیے معیاری کتابیں اس طرح لکھی جائیں کہ ان کی عمر کے لحاظ سے تاریخی واقعات تو دیانت داری کے ساتھ پیش کیے جائیں لیکن دین کی خیر خواہی بھی ملحوظ رکھی جائے، تاکہ مسلمان طلبہ کے ذہن کی صحیح تربیت ہو، مثلاً واقعۂ جمل اور واقعۂ تحکیم کو اس طرح نہ لکھا جائے کہ اس کا تہائی حصہ تو ان واقعات کے لیے صرف کیا جائے جس میں صرف انتشار اور ہنگامے رہیں، اور دوسرا تہائی حصہ بھی اسی انتشار پر رائے زنی سے متعلق ہو، اگر ایسا کیا گیا تو دو تہائی حصہ ذہن میں صرف الجھن پیدا کرنے والا ہوگا، یہ تو مناسب نہیں کہ تاریخی واقعات لکھنے میں اختراع سے کام لیا جائے، لیکن اس کا لحاظ ضرور رکھا جائے کہ مستشرقین بڑی چابکدستی بلکہ سبک دستی سے واقعات کا انتخاب اس طرح کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو وہ نہایت سیاہ اور تاریک نظر آئیں، ایسے ادارہ کے لیے جہاں تاریخ نویسی کا کام ہوتا ہے، ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ہر سطح کے معیار کے مطابق معتبر تاریخ لکھ کر پیش کی جائے۔

سلام اور مستشرقین

پر

فین کا بین الاقوامی سمینار

ید صباح الدین عبدالرحمٰن

(۴)

ست کی صدارت ندوۃ المصنفین کے صدر جناب مولانا مفتی
کی کارروائی کو آگے بڑھانے کے فرائض ڈاکٹر سید سلمان ندوی نے
میں ڈاکٹر عبد العظیم الدیب قطر یونیورسٹی نے اپنا مقالہ
سے پیش کیا، اس کا اردو خلاصہ جناب مولوی محمد رضوان ندوی
یا، جس سے ان کی علمی صلاحیت کا بھی اندازہ ہوا۔

یب نے فرمایا کہ ندوہ اور اس کے فارغین نے مستشرقین کے
یب کہ دنیا میں افکار و نظریات کی ایک کشمکش بھی استشراق
لے تو علوم اسلامیہ کو اپنی زبان میں منتقل کیا، اور ان کی نشر و
ظر بدل گیا، انھوں نے ایسی کتابوں کی نشر و اشاعت کی
ان کی وجہ سے مسلمانوں کی نئی نسل میں غلط خیالات پھیلے،
ن کے ماضی سے متنفر کرنے کے مترادف ہے، بعض لوگ
مگر یہ امر واقعہ نہیں اس کے اصل مقاصد اور ہیں جن کے

دسلمان ندوی نے اعلان کیا کہ جناب عبدالکریم ساتو صاحب
سجد کونسل کے ممبر ہیں، اور جاپان میں اسلام کے بہت بڑے
شریف فرما ہیں، ان کو مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کرسی کے

ہ جامعہ ملیہ کے پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی کا مشہور مستشرق
عارف کی کسی آیندہ اشاعت میں شائع ہوگا لیکن اس میں
ں کا خلاصہ حسب ذیل ہے،
ق کے مذاہب اور ان کے تہذیب و تمدن کے مطالعہ کیلیے
لی مقام و مرتبہ کا ہمیں احساس ہے، اس میدان میں ان کی
ز عظیم، اور وسیع شعبہ یعنی ایک مخصوص ڈسپلن بنا دیا، مستشرقین
کے دبیز دھندلکوں میں دفن تھا، نکالا، نادر و نایاب کتابوں کا
عہ کیا اور ان میں بہت سی نادر کتابوں کو ایڈٹ کرکے
اشی لکھے اور بعض کی شرحیں بھی کیں، مختلف زبانوں میں
مغرب کے علماء و محققین نے استفادہ کیا، انھوں نے
اور طریقوں کی مدد سے اپنے تحقیقی کام کو علمی مقاصد کی
کے علاوہ تہذیبوں اور مذہبوں کے مطالعہ میں انھوں نے
، فلسفہ، تاریخ اور سماجی علوم سے بھی مدد لی، اسی طرح
دیا، ہمیں اپنے مستشرقین کی علمی خدمات کا اعتراف ہے،
دوں میں سے جو کئی لحاظ سے قابل قدر ہیں سب سے بڑی

کمزوری ان کی موضوعیت اور داخلیت ہے، انھوں نے دعویٰ تو کیا معروضی مطالعہ کا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایسا نہیں جو اپنے ذہنی تحفظات اور مذہبی تعصبات سے دامن بچا سکا ہو، خاص طور سے اسلام، قرآن، پیغمبر اسلامؐ اور قانون اسلام سے متعلق ان کا مطالعہ غیر معروضی ہی نہیں، بلکہ اکثر مستشرقین کے یہاں ان کا تعصب صاف طور پر نمایاں ہے، مستشرقین میں ایک تعداد یہودیوں کی ہے، مگر بڑی تعداد عیسائیوں کی ہے، اس کے سیاسی اور تاریخی اسباب ہیں، یہ لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام سے نفرت اور تعصب کی جن روایات کے وارث ہیں، اس کی داستان صدیوں پرانی ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ داستان چودہ سو برس پر پھیلی ہوئی ہے، اس میں کئی اتار چڑھاؤ ہیں، اس کے کردار بدلتے رہے ہیں، اس کے پلاٹ میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں لیکن داستان کا بنیادی نقطہ ایک اور صرف ایک رہا ہے، بیسویں صدی کے تیسرے دہے، اور خاص طور پر دوسری جنگ عظیم کے بعد مستشرقین کے رویہ میں بھی تبدیلی ہوئی ہے، اس تبدیلی کے سیاسی اور معاشی اسباب ہیں، لیکن اس زمانہ میں علم الاستشراق کا انحطاط علمی اعتبار سے ہوا اور اب مستشرقین میں ایسے عالم نہیں ملتے جیسے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں تھے، بس ایک سنجیدہ اور بردبار مستشرق نظر آتا ہے جس کا علم بھی گہرا ہے اور نظر بھی دقیق ہے مگر وہ بھی کلی طور پر غیر جانبدار نہیں ہے، اس کی بعض تحریروں میں اس کے نظریات اور خیالات کی جھلک دکھائی دیتی ہے جو اسے اپنے پیش روؤں سے ورثہ میں ملے ہیں، ہماری مراد سر ہملٹن گب سے ہے، علمی دنیا نے گب کے علمی کارناموں کا خوب خوب اعتراف کیا، کئی اعزاز بھی ان کو ملے، کئی علمی اور ادبی سوسائٹیوں کے ممبر بھی رہے، ان کے مضامین کی فہرست بھی خاصی طویل ہے، مغرب میں ان کے عقیدت مندوں نے انھیں صف اول کے اسلامی اسکالرس میں شمار کیا ہے، مسلمان بھی ان کی محققانہ بصیرت اور مورخانہ ژرف نگاہی کے قائل ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی کتابیں

صلاحیت، فکر کی شادابی اور گہری بصیرت کی شاہد ہیں،
امین لکھے جس میں اس زبان وادب کے جدید رجحانات پر سیر حاصل
ں کے مقابلہ میں عربی زبان وادب سے کہیں زیادہ واقف تھے'
کے ایک مضمون اسلامک بایوگرافی کل لٹریچر سے پتہ چلتا ہے
عربی ادب کے وسیع مطالعہ کو کتنی اہمیت دیتے تھے' وہ
خلدون کا چالیس برس تک مطالعہ کیا اور اسی سے علم وآگہی
ں کے ادبی محاسن کا ذکر انھوں نے کچھ اس طرح کیا ہے کہ ان کی
یک حیات آفریں، رنگین اور رعنا شخصیت کے مالک ہیں' وہ
قرار دیتے ہیں، مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی طلاقت لسانی
یالات آبشار کی طرح گرتے نظر آتے ہیں، کبھی یہ ہوتا ہے
تیوں میں کھوجاتا ہے، لیکن وہ اپنی خوش وضع اور خوش آہنگ
، وہ جملوں کی تراکیب، فقروں کی ترتیب، چست و نفیس
یالات کا اظہار ایسی تربیت یافتہ شائستگی ولطافت سے
ائل کے تابع ہوجاتی ہے، اس کا خاص میدان تاریخ و
یں زبان وادب کے رول کی اہمیت سے وہ اچھی طرح واقف
کچھ اپنے نظریات تھے، اسی لیے واقعات کو اپنے انہی
ہے کہ عربوں کی قبائل کی مخالفت' فوجی طاقت کے ذریعہ
ل نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ ایسے حالات
ں پورے طور سے داخل نہ ہوں تو کم از کم اسلام کے جزوی مفاد سے

اپنے آپ کو وابستہ کرلیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت کئی سرداروں کی قیادت میں قبائل کو شام کی سرحدوں پر حملے کے لیے بھیجا' مقصد یہ تھا کہ قبائل کا رخ دوسرے ملکوں کی طرف پھیر دیا جائے، اس میں کامیابی ہوئی' اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا، گب اس طرح یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بدوی قبائل نے اسلام کو انسانی، اخلاقی وروحانی اصولوں کی بنا پر نہیں اپنایا بلکہ جب انھوں نے دیکھا کہ اس سے ان کا دنیوی ومادی مفاد وابستہ ہے تو اسلام سے ان کا تعلق پیدا ہوگیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے گب نے اپنے ذہن میں ایک کلیہ قائم کیا اور شام وعراق کی اسلامی فتوحات کو اسی کلیہ سے دیکھنے کی کوشش کی، ہمارے نزدیک یہ رویہ تاریخ نگاری کے جدید اصولوں کے مطابق نہیں ہے اس سے تحقیق کی معروضیت کا وقار مجروح ہوتا ہے، جس پر یورپ کے جدید محققین ناز کرتے ہیں، یہی رویہ گب کا علم حدیث کے بارے میں ہے، وہ اپنے ایک مضمون میں اپنے حسن بیان اور مخصوص طرز استدلال سے مسحور کرکے یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے چونکہ اسلامی قوانین اور ان کے نفاذ کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہوگیا تھا، خلافت کے مختلف شہروں اور صوبوں میں مقامی علماء اپنی اپنی فہم کے مطابق آزادانہ رائے دیتے تھے جو بسا اوقات باہم مختلف اور متضاد ہوتی تھی، اس تضاد سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو علماء نے خطرناک تصور کیا، اس مسئلہ کا انھوں نے یہ حل ڈھونڈا کہ پیغمبر اسلام کے معاصرین کے واسطہ سے احادیث بیان کرنا شروع کردیں جن میں واضح مسائل سے متعلق روایتیں حضرت محمدؐ سے منسوب ہوتی تھیں، ان کی پابندی کو ضروری قرار دیا، اور ان کی حیثیت آیات قرآنی سے کمتر نہیں سمجھی گئی، اور جب گب حدیث اور تدوین حدیث کا ذکر کرتے ہیں تو اس کو علماء کی مصنوعی تخلیق سے تعبیر کرتے ہیں، اس طرح وہ حدیث کی اہمیت کو اپنے مسلمان قارئین کی نظر میں کم کرنا چاہتے ہیں اور یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ پروفیسر گب کو

سے گہرا شغف ہے، انھوں نے بارہویں صدی کی اس پرکشش
ے؛ اور ان پر جو مضامین لکھے وہ جدید طرز کی تحقیق کے اعلیٰ
صلاح الدین ایوبی ایسی شخصیتوں میں نہیں تھے جو محض اپنے
ں ہیں، بلکہ خود ایک بڑے مقصد کے لیے اپنے دینی اخلاق
انق بنایا، بلکہ نئے حالات بھی پیدا کیے اور سیاسی انحطاط
ور مسلمانوں کی آبرو باقی رکھی، پروفیسر گب نے لکھا ہے کہ
ستند ماخذ ملتے ہیں جن کی مدد سے صحیح اور ثبت نتیجے نکالے
سخت معیار پر کھرے ثابت ہوں، لیکن سلطان صلاح الدین
یں اسی زمانہ کے پانچ مراجع دستیاب ہیں، گب نے ان پانچوں
بیوں اور کمزوریوں کو تحقیق کے اعلیٰ معیار کے مطابق پرکھا
نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ پہلی بار دیکھنے میں آیا کہ ایک مسلم
اپنی افواج کے ساتھ اپنے متحد دشمن کے مقابلہ میں
ل جنگ کا بمشکل ہی متحمل ہو سکتا تھا، ان کے خیال میں
ں کے کہ سلطان صلاح الدین کوئی ماہر جنگ یا تجربہ کار
ت تھی جو صلیبی حملہ آوروں کے خلاف مسلمانوں کے
ں قوتوں کو اتحاد اسلامی کے لیے ایک مرکز پر متحد اور
ستقامت؛ ان سب اخلاقی خوبیوں سے وہ متصف
ن کامیابیوں میں سب سے زیادہ اس بات کو دخل
، دنیا ضمی اور اخلاق اسلامی کا احساس برتری ایسا تھا

جنھیں انھوں نے دوست و دشمن سبھی کے ساتھ یکساں برتا، وہ سادہ لوح نہ تھے، لیکن ان میں غضب کا انکسار اور سادگی تھی، ان کی ایمانداری بے داغ تھی اور بلور جیسی چمک رکھتی تھی، ان کے دشمن اس بات پر حیران تھے کہ سیاست اور جنگ دونوں میں ان کے عزائم اور طور طریقے کیوں مختلف ہوتے ہیں، وہ مکر و فریب سے کوسوں دور تھے اور دوسروں کے مکر و فریب کو بھی شاذ ہی سمجھ پاتے تھے، ان کے اسلامی اخلاق نے انھیں معاہدوں کا احترام کرنا سکھایا، وہ ہر قیمت پر معاہدوں کی پابندی کرتے تھے اور معاہدہ توڑنے والے دشمن کو ہمہ وقت یہ خیال رہتا تھا کہ اسے عہد شکنی کی بھاری قیمت ادا کرنی ہوگی، ہمارا خیال ہے کہ شاید کسی عیسائی مورخ یا سوانح نگار نے مستند ماخذوں کی اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد اور تاریخ و تنقید کے سارے اصولوں کو برت کر سلطان صلاح الدین کی ایسی خوبصورت اور سچی تصویر پیش کی ہوگی جیسی گب نے کی ہے، لیکن تاریخ و ادب سے ہٹ کر جب گب قرآن پاک و سیرت رسولؐ کے موضوعات پر لکھتے ہیں تو اکثر مقامات پر اپنی تاریخی بصیرت اور علمی معروضیت سے بے وفائی کرتے نظر آتے ہیں، ان کے اس رویہ کی توجیہ اور کیا کی جا سکتی ہے کہ ان کے مذہبی عقائد اور تعصب و جانبداری کی وہ روایت جو ان کو اپنے علمی ماحول اور ورثہ میں اپنے پیش رؤں سے ملی تھی، ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے، قبل اس کے کہ دو تین مثالوں سے ہم اپنے اس خیال کی وضاحت کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے کچھ اقوال یہاں نقل کریں، وہ لکھتے ہیں کہ ان استعاروں میں سے جہاں عیسائی عقیدہ روایتی طور سے محفوظ ہے' ذہنی طور پر میری تشفی ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ استعارے اور علامتیں روحانی صداقتوں کی ان بلند ترین عظمتوں کی ترجمان ہیں' جہاں تک میرے فہم کی رسائی ہے بشرطیکہ ان علامتوں اور استعاروں کی تشریح ایسی زبان میں کی جائے جس میں کسی تجسیمی اور تشبیہی عقیدہ کا اظہار نہ ہوتا ہو، بلکہ ایسے عمومی تصورات میں ان کا

رے بدلتے ہوئے نظریوں سے مطابقت رکھتے ہوں قطع نظر
تی مالہٗ وما علیہ کیا ہے، اتنی بات صاف ہے کہ وہ اپنی نظر میں
لب انھیں اس کا حق تھا کہ جس عقیدہ سے انھیں ذہنی وروحانی
، مگر اس بات کی خوشی ہے کہ وہ مسلمانوں کو بھی اس کا حق دیتے
ی تھی کہ مسلمانوں کے عقائد اور حضورؐ کی سیرت اقدس پر لکھتے
ارا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں ان کی عیسائیت' تاریخی معروضیت
ں بنیادی خصوصیت پر غالب آگئی ہے جسے آج سے صدیوں پہلے
ں نے الآثار الباقیہ اور کتاب الہند کے سلسلہ میں اپنایا تھا،
وایت کے موضوع پر لکھنے کی آزادی ہے، کسی ایک خاص مذہب
کے اپنے نتائج کو قلمبند کر سکتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں تصنیف
یہ ہونا چاہیے کہ پہلے زیر مطالعہ مذہب کے ماننے والوں کے
طرح بیان کر دیے جائیں کہ شکایت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے
کر پیش کیا گیا، اب اگر لکھنے والا کسی اور عقیدہ یا نظریہ کا
نظریہ کا ذکر کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کا حق حاصل ہے، لیکن
سے نظریہ کو الگ سے اور پوری وضاحت سے پیش کرے
یرت رسول پر لکھتے ہوئے اس بنیادی اصول کو عموماً فراموش
بحث کرتے ہیں کہ صرف وہی لوگ جن کا اسلام کا مطالعہ
ا اپنے ذاتی خیال وعقیدت کو اپنے قاریوں کے ذہن میں
فیسر گب جیسے بالغ نظر مصنف بھی جس کی علمیت ومتانت کے

بہت سے مسلمان بھی معترف ہیں' اپنا دامن اس عیب سے پاک نہ رکھ سکے، پروفیسر گب نے اسلام پر جو کتابیں لکھی ہیں' ان میں سے ایک کا نام محمڈن ازم ہے، مارگولیتھ نے اسی نام سے سنہ ۱۹۱۱ء میں ایک کتاب لکھی تھی' پروفیسر گب نے اس خیال سے کہ بقول ان کے سنہ ۱۹۱۱ء کی علمی فضا اور تھی' نظریے اور تھے، جذبات اور تھے، اور چونکہ ہر دور کے ذہنی تحفظات وتعصبات کی پرچھائیاں اس دور کی تحریروں میں باقی رہتی ہیں، خواہ ان سے بچنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے اسلام پر ایک نئی کتاب لکھنا ضروری سمجھا، وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ بات پسند نہیں کہ انھیں محمڈن اور اسلام کو محمڈن ازم کہا جائے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے اسلام کو محمڈن ازم کہنا ضروری سمجھا، ان کے خیال میں ایسا کہنا غلط بھی نہیں کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ مسلمان بڑے فخر سے اپنے آپ کو امت محمدیہ کہتے تھے، دوسرے یہ کہ جو مسلمان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر اسلام پر اپنے یقین کا اقرار کرتے ہیں تو اس کلمہ کے دوسرے جز کی اہمیت ان کے ذہن میں تمام مضمرات کے ساتھ موجود رہتی ہے، جب کہ کلمہ کے پہلے جز پر مسلمانوں کے علاوہ بہت سے غیر مسلموں کا اعتقاد اور ایمان ہو سکتا ہے۔ اگر محمدؐ کے زمانہ سے لے کر اب تک کوئی ایسی مثال نہیں کہ اس کلمہ کے منکرین کو کبھی مسلم کہا گیا ہو اور ان کو اسلامی برادری کا رکن سمجھا گیا ہو، برخلاف اس کے راسخ العقیدہ مسلمان شارحین کا موقف ہر دور میں یہی رہا ہے کہ کسی ایسے شخص کو جو علانیہ طور سے کلمہ کا اقرار کرتا ہو غیر مسلم نہیں کہا جا سکتا۔

پروفیسر ضیاء الحسن نے اپنے مقالہ کا اتنا حصہ پڑھ کر کہا کہ بعض اور اہم پوائنٹ ہیں لیکن چونکہ وقت نہیں ہے' اب آپ سوال کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سید سلمان ندوی: اس مقالہ کے بعد پروفیسر مشیر الحق اپنا مقالہ پیش کریں گے' اس کے بعد سامعین سوالات کر سکتے ہیں، وقت کم ہے، اس کے بعد چائے کا وقفہ بھی ہے' ڈاکٹر مشیر الحق کے

ویل اسمتھ ہے۔

مون کا جو ابتدائی حصہ ہے میں نے اس میں پروفیسر کینٹویل اسمتھ
دی ہیں، ان کو وقت کی کمی کی وجہ سے چھوڑ رہا ہوں، مختصراً
شہور شہر ٹورنٹو میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی، اب تک تقریباً سو تحقیقی
م کتابوں کے مصنف ہیں، ان کے بعض مضامین اور کتابوں
جرمن، انڈونیشی، جاپانی اور سویڈش زبانوں میں بھی شایع ہو چکے
ظیم سے پہلے ہندوستان میں لاہور کے فارمن کرسچین کالج یا
ان کو ہندوستانی مسلمانوں سے ملنے کا پورا اتفاق ہوا اور
ھوں نے محسوس کیا کہ اسلام کا صحیح اور مکمل مطالعہ اس وقت
اسلامی تاریخ کا مطالعہ پورے طور سے نہ کیا جائے، صرف
م کا پرسپکٹیو نظر نہیں آسکتا، انھوں نے اپنی مشہور کتاب
یں ۱۹۴۳ء میں شایع کی جس کا شمار آج بھی نیم کلاسیکی ادب
خ کے تجزیاتی مطالعہ میں ارکسی معیارات کو بنیادی جگہ
ں نظر آتی ہے، اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان کو اپنے
ی تنقیدوں کا ہدف بھی بننا پڑا، لاہور سے واپسی کے بعد
نی میں "مجلۃ الازہر، تجزیہ وتنقید" کے موضوع پر مقالہ پیش کرکے
ں وہ کمپریٹیو ریلجین کے پروفیسر ہوکر میک گل یونیورسٹی چلے آئے،
ف اسلامک اسٹڈیز کی بنیاد ڈالی اور اس میں ان کا تقرر
نظریہ رہا ہے کہ اسلام یا کسی بھی مذہب کے مطالعہ کے

سلسلہ میں جب تک جس مذہب کا مطالعہ کیا جارہا ہو، اگر اس کے ماننے والے تقریباً اتنے ہی تعداد میں موجود نہ ہوں جتنی تعداد میں دوسرے مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں اس وقت تک مذہب کا صحیح مطالعہ ایمانداری کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا، اسی بنیاد پر انھوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ اپنے دوران قیام میں انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز میں اساتذہ وطلبہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا تناسب پچاس پچاس فیصدی ہونا چاہیے، ۱۹۶۴ء میں ان میں یہ تبدیلی آئی کہ صرف اسلام کے مطالعہ کے بجائے دنیا کے دوسرے بڑے مذاہب کا بھی مطالعہ کیا جائے، اس کے لیے میکگل کا میدان ان کے لیے ذرا محدود تھا، اس لیے وہ ہارورڈ چلے گئے، وہاں انھوں نے کئی مذاہب کا مطالعہ کرنا شروع کیا اس کے تعلیمی سینٹر کو انھوں نے رہائشی سینٹر میں تبدیل کردیا، جہاں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے تھے، یہ تو ان کی ذاتی زندگی کی ایک جھلک تھی، اب میں ان کے خیالات کی بھی ایک جھلک پیش کرتا ہوں۔

اسمتھ اپنے فکر وعمل دونوں کے اعتبار سے خود بھی مذہبی ہیں اور دوسروں کو بھی ان کے مذاہب پر عمل پیرا دیکھنا چاہتے ہیں، تقویٰ ان کے خیال میں کسی مخصوص مذہب کی ملکیت نہیں، یہ خدا اور انسان کے باہمی تعلق کے نتیجہ میں وجود میں آتا ہے، یہ تعلق جتنا مضبوط ہوگا فرد کی مذہبی زندگی اتنی ہی قابل رشک ہوگی، اسمتھ کے نقطۂ نظر سے مذہب کی دو جہتیں ہوتی ہیں، ایک کو وہ انفرادی کیفیت کہتے ہیں اور دوسرے کو اجتماعی روایات، انفرادی کیفیت کو اسمتھ اپنی زبان میں faith اور ہماری زبان میں ایمان کہتے ہیں، اگرچہ ایمان کی دولت کے بغیر کوئی شخص مذہبی نہیں ہوسکتا، لیکن ایمان کو ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے، یہ چونکہ ایک اندرونی کیفیت ہے اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ایمان میں حالات کے تحت تغیر وتبدل نہ ہوسکے اور نہ ہر شخص کے ایمان کا پلہ برابر ہوسکتا ہے، دوسرے لفظوں میں اسمتھ ایمان ہر کس بقدر ہمت اوست کے قائل ہیں، افراد کی سطح پر کیفیت کے فرق کے باوجود مذہب کی دوسری جہت یعنی کسی مذہب کے پیروؤں کی اجتماعی روایات کا ——

پیروی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں، اگر ہم بات کو واضح کرنے کے لیے تھوڑی دیر کے واسطے دو الگ الگ ہم معنی لفظ مسلم اور مسلمان استعمال کریں جن میں اول الذکر کو لغوی معنی میں لیں اور آخر الذکر کو اصطلاحی معنی میں تو پھر اسمتھ بلا کسی جھجک کے انگریزی میں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن اسی بات کو وہ عربی میں مسلم کے لغوی معنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے بارے میں لَسْتُ بِمُسْلِمٍ کہنے پر کبھی تیار نہ ہوں گے، کیونکہ اس اعلان کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا کے فرماں بردار بندے نہیں اور یہ بات ان کے عقیدہ و عمل کے مطابق درست نہیں ہے، خدا کی مرضی کا وہ جس حد تک اپنی صلاحیتوں کے مطابق سمجھ پائے ہیں، اس کے تحت ان کی پوری زندگی ایک بندۂ مسلم کی زندگی ہے، لیکن اصطلاحی معنوں میں مسلم نہ کہنے کی ایک وجہ تو ان کے خیال میں یہ ہے کہ وہ اتفاق سے کسی مسلم گھرانے میں پیدا نہیں ہوئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے اس دعوے سے متفق نہیں کہ اصطلاحی طور سے مسلمان ہوئے بغیر خدا کی مرضی کے آگے سر نہیں جھکایا جا سکتا، انھوں نے جس طریقہ سے اپنے کو خدا کے سپرد کیا ہے، وہی سپردگی ان کے نزدیک الاسلام ہے، کیتھولک انسائیکلوپیڈیا کی تشریح کے مطابق دین یا ریلیجن خدا کے حضور بندوں کی اختیاری سپردگی کو کہتے ہیں، پروفیسر اسمتھ کا اصرار ہے کہ اگر ہم کیتھولک پادریوں یا دوسرے عیسائی علماء کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھ لیں گے کہ وہ ریلیجن کی مذکورہ بالا تعریف کے پیش نظر صبح و شام اپنی زبان میں انّ الدّین عند اللہ الاسلام کا ورد کر رہے ہیں، اس کے باوجود انہیں اس پر بھی اصرار ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، گویا اسلام ان کا دین تو ہے لیکن وہ خود مسلمان نہیں، یہ ظاہری تضاد بیانی اس وقت ختم ہو جاتی ہے جب یہ واضح کر دیا جائے کہ عیسائی علماء اور پادری اور خود اسمتھ جس اسلام کو اپنا دین کہتے ہیں وہ اس اسلام سے قطعاً مختلف ہے جو صدہا برس کے تاریخی و سماجی عوامل کے ایک خاص مذہبی طرز فکر کا مرادف بن گیا ہے، اسمتھ کو یقین ہے کہ اسلام کا جو مفہوم وہ سمجھ رہے ہیں وہ اولین کے مسلمانوں کی تشریحات سے مختلف نہیں ہے، مثلاً طبری اور ان کے ہمعصر مسلمانوں کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ لوگ اسلام کا مفہوم اطاعت اور بندگی ہی لیتے ہیں، یہ تصور کہ اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے مکمل، جامع اور مستقل نظام ہے

Commaula نام دیتے ہیں، ظاہر میں مشاہدہ کیا
ے فرق کی وجہ سے تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، تاہم ان روایات
ی مذہب کا مطالعہ کرنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں،
ے تبدیل ہوتی رہتی ہیں اس لیے اگر اس جہت سے دیکھا
ثابت ہو جاتا ہے، لیکن اگر اندرونی کیفیت یا ایمان کو
تی کہ ایک سے زیادہ ایمان کا وجود ممکن ہے، ایمان کی
ہمیشہ واحد ہی رہے گا، اسے جمع کے صیغے میں استعمال
تحریروں میں faith کو ہمیشہ واحد کے صیغہ میں لکھتے ہیں،
ں ضرورۃً جمع کے صیغہ میں لکھا تھا اسے دوبارہ اشاعت
ں کی مختلف شکلوں) میں بدل دیا۔ ایمان اسمتھ کے نزدیک
یک معاہدہ ہے جو بندہ اپنے خدا سے کرتا ہے، جس کی
دیتا ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں ایمان کا اظہار ہوتا ہے،
ایمان جتنا زیادہ مکمل ہوگا اتنا ہی ہم اس کے تابع اور
فرماں برداری کو اسمتھ اسلام کہتے ہیں، اسلام ان کے
جہ پر پہونچ جانے کے بعد اسمتھ بھی یہی کہتے ہیں انّ
ں وہ ہم سے اختلاف کرتے ہیں، ہم یہاں اسلام کو اسم معرفہ
ت خداوندی کے معنوں میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں،
ور اصطلاحی دونوں طرح سے کرتے ہیں، لغوی حیثیت سے
حاً مسلمان ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو تاریخی مذہب اسلام کی

ڈاکٹر سید سلمان ندوی: ذرا وقت کا لحاظ رکھیں۔

پروفیسر مشیر الحق: کیا میرا وقت ختم ہو چکا ہے؟ میرے مقالہ میں اس مسئلہ پر کچھ روشنی ہے جس میں یہ بحث اٹھائی گئی ہے کہ اسلام کو محمڈن ازم کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اسمتھ کو پوری طرح اصرار ہے کہ مسلمانوں کو مسلم اور اسلام کو اسلام ہی کہا جانا چاہیے، اور اس سلسلہ میں وہ اتنے سخت رہے ہیں کہ اپنی تحریروں اور ریڈیو کی تقریروں کے ذریعہ تقریباً پچھلے پینتالیس۴۵ برسوں سے اس پر زور دیتے رہے ہیں کہ مسلم ہی استعمال کیا جائے، بلکہ جس زمانہ میں پروفیسر گب کی کتاب محمڈن ازم شایع ہوئی تھی جس کی طرف پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی صاحب نے اشارہ کیا ہے تو اسمتھ نے اس نام کو پسند نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ گب کی اس معذرت سے متاثر ہوئے تھے کہ یہ نام ان کی اپنی پسند سے نہیں بلکہ ناشر کی اپنی تاجرانہ پالیسی کی وجہ سے رکھنا پڑا ہے لیکن اب اسمتھ آہستہ آہستہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اس معاملہ میں ان کا بے لچک اصرار شاید ضرورت سے کچھ زیادہ ہے اور گب کی کتاب کا عنوان بالکل بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا اور اس کی بہت بڑی وجہ یہ ہے جو ضیاء صاحب اپنے مقالہ میں پیش کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کو آنحضرتؐ سے جو تعلق ہے اور کلمہ کا جو دوسرا جزء ہے اس پر جتنا اصرار ہے اس کی روشنی میں اور خود مسلمانوں کی زندگی اور ان کی تحریروں کا مطالعہ کر کے انھوں نے پیش کیا ہے کہ مسلمانوں کو کوئی شخص محمڈن یا اسلام کو محمڈن ازم کہتا ہے تو پھر اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی بنیاد ہے، اس زبانی تقریر کے بعد پروفیسر مشیر الحق نے اپنے مقالہ کا آخری حصہ پڑھا جو یہ تھا:

آپ نے ایسے مضامین پڑھے ہوں گے جن میں ایک شاعر یا افسانہ نگار یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ افسانہ کیوں لکھتا ہے یا شعر کیوں کہتا ہے، اسمتھ نے اس قسم کا کوئی مضمون نہیں لکھا ہے، یا کم از کم میری نظروں سے نہیں گذرا ہے کہ وہ اسلامی موضوعات پر کیوں لکھتے ہیں، لیکن اگر اس سوال کا جواب ہم ان کی مختلف تحریروں میں تلاش کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہ تو اتنے بددیانت ہیں کہ دنیا کے سامنے اسلام کی

ون کے لیے اجنبی تھا، مثلاً قرآنی آیات وَمَن یَّتَّبِعْ غَیْرَ
یتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کی تشریح کرتے وقت طبری اسلام کا
ی والانقیاد لطاعتی علیٰ ما شرعت لکم من حدود
بھی طبری کی اس تشریح سے اختلاف نہیں کرتے کیونکہ وہ بھی
و فرائض کی پابندی کا نام ہے، اور اسمتھ بھی یہی کہتے ہیں لیکن جب
تے ہیں تو ہم اور اسمتھ الگ الگ راہوں پر چل پڑتے ہیں، ہمارے
ن وہی ہیں جنھیں ہم شریعت اسلامیہ کہتے ہیں، اس لیے مسلمان
ریعت اسلامیہ کی بالادستی کو بھی قبول کر لے، اسمتھ کو ہماری تشریح
اسلامیہ میں محدود نہیں سمجھتے، شریعت اسلامیہ اسمتھ کے نزدیک
جتماعی روایات کہتے ہیں، جس کا وجود ایک سے زیادہ

ے اور نتائج نکالنے میں اس سے مدد لیتے رہے ہیں، ایمان

ایمان ہے اور قرآن نے اسی پر زور دیا تھا لیکن جیسے جیسے
طرح ایک مخصوص مذہب کی شکل اختیار کرتا گیا، ایمان کے بجائے
اسلام، نیز ان کے مختلف مشتقات کی تعداد کی بنیاد پر اسمتھ نے
ت دکھائی ہے، اس کے بعد انھوں نے قرن اول اور زمانہ وسطیٰ
ے کہ سنہ ۱۳ھ تک یہ نسبت ۸۵ اور ۱۵ کے بجائے
صدی میں ایمان اور اسلام کا تناسب بالکل بدل جاتا ہے،
۹ - ۹ جز) کی نسبت رہ جاتی ہے۔

آئے ہیں اور نہ ہی اتنے خوش فہم ہیں کہ سمجھتے ہوں کہ وہ
سلام سے برگشتہ کر سکیں گے اور یوں عیسائیوں کی تعداد
شراح صدر ہے کہ یہ دور بڑے پیمانہ پر اجتماعی تبدیلی، مذہب کا
ت ہے کہ عالمی سطح پر انسانی معاشرہ اتنا کاسموپولیٹین
ایک لاادریا (Agnostic) خود اپنے گھر میں
ی ایک ذہین، باعمل، متقی، پرہیزگار بدھسٹ ہو
ک ساتھ رہتا ہے تو انھیں ایک دوسرے کے مذہب
کل اور چھیڑنے کو جی چاہتا ہے' اکثر لوگ یہ سوال اٹھاتے
کہ وہ اسلام کا مطالعہ خلوص نیت کے ساتھ کرتے
خاصا اہم ہے اور چند لفظوں میں اس کا جواب نہیں
پر روشنی ڈالی گئی ہو لیکن جہاں تک اسمتھ کا سوال ہے'
جائے تو ممکن ہے وہ پلٹ کر جواب دیں کہ کیوں آخر
ولت سے سرفراز ہوں اور عیسائی ہوتے ہوئے
یوں چھوڑ دوں، شکریہ، لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ
کیے گئے.

اسمتھ کے بارے میں جناب شبیر صاحب نے جو
م اور الایمان کے بارے میں، میرا خیال ہے
یہاں تخصیص کے لیے ہے الاسلام سے خاص
راد ہے، یہ وہ اصطلاح ہے جسے قرآن نے

استعمال کیا ہے اور جس کے بارے میں کہا ہے کہ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ اور یہ اسلام اور یہ ایمان جسے اسمتھ یہ کہتا ہے کہ پہلی صدیوں میں کچھ اور سمجھا جاتا رہا اور بعد کی صدیوں میں کچھ اور، درآنحالیکہ قرآن خود کہتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا اسلام مکمل اور جامع تو نازل ہی ہوا، یہ جس طرح پہلی صدیوں میں سمجھا جاتا رہا بعد کی صدیوں میں بھی سمجھا جاتا رہا اور طبری کی ایک عبارت نقل کر کے یہ کہنا کہ شروع کی صدیوں میں مسلمانوں کو فی امرہ ونہیہ میں اختلاف نہیں ہوا تو اس سے مراد اوامر خدا کی پابندی ان حدود میں ہے جن کو خدا اور پیغمبر اسلام نے متعین کیا ہے، ہر شخص کی ایک اصطلاح ہوتی ہے' قرآن کی ایک اصطلاح ہے اور اسی اصطلاح کے مطابق ایمان و اسلام کو اسمتھ صاحب کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی، لیکن اسمتھ نے ایک طرف تو یہ کہا کہ ہم ایمان کے لغوی اور اصطلاحی معنی مراد لے رہے ہیں' کون سے اصطلاحی معنی اور کون سی اصطلاح؟ اگر وہ اس اصطلاح کو مراد لیتے ہیں جو قرآن نے مراد لی ہے تو پھر کوئی اختلاف ہی نہیں لیکن وہ اس کو لغوی معنی میں اطاعت خداوندی سے مراد لے رہے ہیں، تو یہ حقائق کے بھی خلاف ہے اور اصطلاحات کے بھی خلاف، میرے خیال میں ان کو غلط فہمی اَل سے ہوئی ہے' اَل تخصیص کے لیے ہے، مخصوص اسلام اور مخصوص ایمان مراد ہے، یعنی وہ اسلام جو قرآن نے پیش کیا ہے' نہ کہ وہ اسلام جو ہر شخص پیش کرے۔

شبیر الحق صاحب :- جو بات مولانا نے فرمائی وہ تو میں خود ہی کہہ چکا ہوں مسلمانوں کے نقطۂ نظر میں اور اسمتھ کے نقطۂ نظر میں زمین اور آسمان کا فرق ہے' اب یہ بات کہ اَل کا جو فرق ہے اسے اسمتھ سمجھے بھی ہیں کہ نہیں؟ یہ مجھ پر بھی بڑا ظلم ہے اور اسمتھ پر بھی ہوگا، مقالہ پیش کرنے کے لیے تو ۱۵ منٹ کا وقت دیا جائے اسے بھی کاٹ چھانٹ دیا جائے' اس مقالہ کا مقصد اسمتھ کے خیالات کو پیش کرنا تھا' ظاہر ہے ہم ان کی ساری باتوں کو صحیح نہیں سمجھتے' جہاں اختلاف تھا وہ پیش کر دیا گیا، صرف ایک کنکر پھینکنا ہے تالاب میں کہ ممکن ہے کسی خدا کے بندے کو یہ شوق پیدا ہو جائے کہ بھئی ان کو پورا پڑھیں۔

تقی الدین صاحب :- تو آپ نے پورا پڑھ لیا ہوتا' آخر تک' تاکہ بات واضح ہو جاتی۔

یہاں پیش کرنے کے لیے اتنے چھوٹے سے مقالہ کو تو پورا
کل سکتی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اسمتھ ان چیزوں کو
تی رہی ہے، اس میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہماری چیزوں کو
ں اسمتھ کو رکھتے ہی نہیں۔

نے سوال کیا کہ اسلام ہر دور میں رہا ہے اور خدا کا
مد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تو اگر اس کو محمدیت یا محمڈن ازم

ہے؟

د اپنی جگہ پر درست ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں
اس کی بنیاد ہی پر اختیار کیا ہوگا، مستشرقین کے مسئلہ کے
ین کرنی پڑے گی کہ مستشرقین کے جو نظریات ہیں، خود ہم مسلمانوں
ی اور ڈھنگ سے سوچتا ہے، اور جو جدید طبقہ ہے، وہ
خود ہمارے یہاں اختلافات بہت ہیں، چاہیے ہم
ے ان اختلافات میں کسی نے اگر کوئی پہلو اختیار کر لیا ہے
زیادہ ناراض نہ ہونا چاہیے، اس لیے ہمارا خیال ہے
ن ہو جائے گا، یہ بات بھی ہے کہ مقالات کا جب
نگار کو تکلیف ہوتی ہے کہ وہ بہت سے اہم پوائنٹ
الات کے پہلوؤں کی دنیا الگ ہی ہے، یہ نہ سمجھنا
ایک انداز ہے اسی لحاظ سے غور کرنا چاہیے۔
خدا بخش لائبریری پٹنہ نے یہ سوال کیا کہ اسلام جو

ہر دور میں رہا ہے اور خدا کا پسندیدہ دین ہے اس کی اصلاح شدہ اور آخری شکل محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، تو اگر اس کو محمدیت اور اس کے پیروؤں کو محمدی یا انگریزی میں محمڈن کہیں تو کیا حرج ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا نے اس دین کا نام اسلام رکھا ہے جو ہر پیغمبر لے کر آیا ہے حضرت ابراہیم کے بعد کئی اولو العزم پیغمبر حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ آئے اور پھر آنحضرت ﷺ آئے کہیں مسلمانوں کو خطاب کر کے قرآن نے کہا ہے کہ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (حج: ۷۸) تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی اس دین کو اسلام کا نام دیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس وقت مسلمان موجود نہیں تھے، ابراہیمؑ کے بعد جتنے پیغمبر آئے اور جو امتیں ہوئی ہیں، وہ پیغمبر اسلام کے داعی تھے اور امتیں اسلام کی تبع تھیں لیکن ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی اسلام کو جو ہمیشہ سے آ رہا تھا کی تحریفات کو دور کر کے اس کو اپنی شکل میں پیش کیا ہے اور اب وہی اسلام معتبر ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا تھا اور جو آپ ﷺ لے کر آئے اور اس میں کہ اب اسلام کو محمدیت کہا جائے اور امت اسلامیہ کو محمڈیون کہا جائے میں اس میں فرق سمجھتا ہوں، اس میں یورپ کی ایک سازش تھی کہ مسلمانوں کو محمڈن کے نام سے یاد کرنا شروع کر دیا، اور یہ سازش بڑی ذہانت پر مبنی تھی، اس کی تائید شیر الحق صاحب کے مقالے سے بھی ہوتی ہے، اور ہندوستان کے مسلمان کسی وجہ سے بھی جس میں بدنیتی کا شبہ میں نہیں کرتا اس میں محبت رسول ﷺ کا بھی دخل ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے اداروں کا نام شروع شروع میں محمڈن اورینٹل کالج، محمڈن عربک کالج یا ایک زمانہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا نام محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس تھا اور اب محمڈن لا کے نام سے ہمارا اسلامی قانون ہے، وہ اس وقت تک رائج ہے لیکن بعد میں مسلمانوں کو خود اس کا احساس ہوا اور کئی اداروں اور تحریکوں کا نام بدل گیا، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا نام مسلم ایجوکیشنل کانفرنس پڑ گیا اور ہم مسلمانوں کو اس پر اصرار کرنا چاہیے کہ اسلام کو اسلام کہا جائے اور مسلمانوں کو مسلمین اور امت مسلمہ کہا جائے هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ سے قرآن مجید نے اس پر آخری مہر لگا دی ہے، اسلام نے اس کا اتنا لحاظ کیا ہے کہ اپنی تقویم کا نام بھی محمدی تقویم نہیں رکھا بلکہ ہجری تقویم

وزندہ ہیں، وہ کسی نہ کسی شخصیت کی طرف منسوب ہیں، عیسوی تقویم
رائج تھی وہ بھی ایک مشہور بادشاہ کے نام سے تھی، مسلمانوں نے
ہ اس میں ایک پیغام ہے، میں پورے احترام کے ساتھ جو ایک ادنیٰ
محمدی کہلانے میں یا محمدیت میں وہ پیغام نہیں ہے، یعنی وہ ذہن کو
ئل کرتا ہے، اس کا نفسیاتی وذہنی اثر یہ ہوتا ہے کہ اصل چیز شخصیت
یز ہے عقیدہ، اور وہ شخصیت اس لیے محترم ومحبوب ہے کہ اس عقیدہ کو
نیاں دیں اور وہ خدا کی محبوب ترین شخصیت تھی اگر بے ادبی نہ ہو تو
تی کہ ایک اعرابی نے کہا تھا کہ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ (جو اللہ
رمایا: اجعلتنی لِلّٰہ نِدًّا، ما شاء اللہ وحدہٗ ماشاء
تنہا خدا چاہے، تنہا خدا ہا ہے) اور اسی طریقے سے مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ
ہے) تو اس میں بھی آپ نے تھوڑا فصل کرنا چاہا مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ
ہے اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے یعنی اسم موصول کا لفظ
گیا کہ اللہ اور رسول کا نام اس طرح آئے جس طرح ہماری بعض
یں، اللہ محمد، بعض مرتبہ تو مجھے خیال آتا ہے کہ بڑے چھوٹے
ند لکھ دیا گیا ہو، میں اس کی جرأت تو نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کا
ئے یا الگ الگ لکھا جائے، لیکن ایک موحد مسلمان کے ذہن پر
رہ میں ہمیشہ حساس اور ذکی الحس ہونا اور بیدار مغز رہنا چاہیے
زرگ تو لی قصہ مختصر، یہ ہمارا ایمان ہے، اس کے باوجود ہم اسی
لمانوں اور اس کے پیروؤں کو امت مسلمہ کا نام دیا جائے، ان

دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہم کہیں کہ وہ اسلام جسے صحیح شکل میں رسول اللہؐ لے کر آئے تھے اور جس کا کلمہ جامعہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، لیکن ہم اسلام کو اسلام ہی کہیں گے، اور خدا کا شکر ہے جیسا کہ مشیر الحق صاحب نے بتلایا کہ اسمتھ صاحب کو بھی اس کا احساس ہے کہ اسلام کو اسلام ہی کہنا چاہیے، محمڈن ازم نہیں کہنا چاہیے، باقی میں اخیر میں یہ عرض کروں گا کہ شروع سے آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اس علمی مذاکرہ کا وہ نقطہ جس پر تقریباً ابھی تک سب کا اتفاق رہا ہے کہ مستشرقین اپنی ساری روشن خیالیوں اور اپنے سارے وسعت مطالعہ اور وسعت ذہنی کے باوجود بہرحال وہ یہودی اور عیسائی ہیں، اور مشیر صاحب نے بھی اس کا اظہار کیا ہے، ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ یہودی اور عیسائی ہیں، اور جیسا کہ پروفیسر ضیاء الحسن صاحب فاروقی نے کہا کہ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں معروضی نقطۂ نظر کا، لیکن کانٹ کی آخری تحقیقات سے دو سو برس پہلے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ عقل مجرد کا وجود نہیں ہے، میں اس سے آگے بڑھ کر کہوں گا کہ علم مجرد کا بھی وجود نہیں ہے، تحقیق مجرد کا بھی وجود نہیں ہے، اس میں قدیم عقائد جو راسخ ہو چکے ہیں، رگ و پے میں سرایت کر چکے ہیں، خاندانی روایات، ملک، ماحول کے اثرات، مسلمات، بے اصل مسلمات کا سایہ اس طرح پڑتا ہے کہ اس میں مدعی کو یا داعی کو یا محقق کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے کہ اس نے جو نظریہ علم مجرد اور تحقیق خالص کے طور پر پیش کیا ہے وہ تحقیق خالص ہے یا ممزوج ہے، یا ایک آمیزہ ہے پرانے اثرات کا، مستشرقین کی تحقیقات نے ایک اور مہر تصدیق ثبت کر دی ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے محض اپنے سلامت قلب اور تائید الٰہی سے جو بات آج سے سوا تین سو برس پہلے کہی تھی کہ نہ تو عقل خالص کا وجود ہے نہ کشف خالص کا، سب متاثر ہوتے ہیں، تحت الشعور سے اور تحت الشعور کے اندر جو مکنونات ہیں، جو مخزونات ہیں، جو پہلے سے خزانہ ہے اس سے متعلق ہوتے ہیں، میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ اس کے بعد مذکورہ بالا خیالات کو مولانا نے عربی زبان میں بھی پیش کیا ——

(دوسری نشست یہیں ختم ہوئی)

ن کے بین الاقوامی سیمینار

سے متعلق

ایک اہم مکتوب

۱۹ء

ناب سیّد صاحب السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پریل ۱۹۸۲ء کے لئے ممنون ہوں، اور کلماتِ خیر کے لئے بصمیم قلب
لی کوریا اور چین گیے، ۱۷ روزہ دورے سے واپس آیا ہوں، اور
ور لاہور جا رہا ہوں،

ان سے غور کیا، چند اشارات درج ذیل کرتا ہوں،

چاہیے کہ ان تجاویز کا انگریزی اور عربی ترجمہ ہونا چاہیے اور
ب خط کے ساتھ ان ۱۹۔ ارکان کو بھجوا دیجیے جن کا ذکر ان
لم ہونا چاہیے کہ وہ کس کمیٹی کے رکن نامزد ہوئے ہیں، اور اُن
نی چاہیے،

ے اسلام کی فہرست ضرور ہونی چاہیے جو اسلامیات پر کام
ہوئے ہیں، ان اکابر رجال کو تجویز نمبر ا پر متوجہ کرنا چاہیے،
ئلے کو پیش نظر رکھیں اور خلافِ اسلام تحریرات کا

پورا پورا نوٹس لیں،

میری رائے ہے کہ ان سب حضراتِ کرام کو انگریزی اور عربی میں یہ تجاویز بھجوائی جانی مناسب ہوں گی کیونکہ ایسے ہی محققین سے دوسری تجاویز کا بھی گہرا تعلق ہے،

۳۔ چند سال ہوئے مکۃ المکرمہ میں اولین کانگریس عالمی تعلیم پر ہوئی تھی، میں بھی اس میں مدعو تھا، اور وہاں میں نے بعض اہم تجاویز سامنے رکھی تھیں، ان میں ایک اہم تر یہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں پرائمری تعلیم میں یکسانیت پیدا کرنی چاہیے اور نصابِ تعلیم مرتب کرکے پوری یکسانیت کے ساتھ تمام عالم اسلام میں نافذ و رائج کرنا چاہیے، اس قسم کی دوسری تجاویز بھی تھیں، مگر اُن میں سے کسی ایک پر بھی آج تک عمل نہیں ہوا ہے، اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ڈاکٹر علی اشرف صاحب (معرفت ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکۃ المکرمہ) سے رابطہ قائم فرمالیجیے کہ انہی کو یہ مقام حاصل تھا کہ وہ یہ کانفرنس وہاں کرائیں، اس کانفرنس کی روداد بھی بڑے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے،

۴۔ میری رائے میں تجویز نمبر ۴ اس دائرہ میں بمشکل ہی آسکتی ہے کہ جو مستشرقین عالمی کانفرنس (اعظم گڈھ) نے متعین کیا ہے، اس پر عمل مشکل ہوگا، اور اس سے مقاصد کانفرنس کا گہرا تعلق بھی نہیں ہے،

۵۔ اگر ہم اپنی جدوجہد کو اس حد تک مرکوز رکھیں کہ مستشرقین اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے سے باز آجائیں، اور فکری و علمی انداز پر بعض مستشرقین کو راہِ صحیح بتا سکیں تو اس سے دائرۂ کار کا احترام ہو سکے گا،

۶۔ خود ہندوستان میں ایسے علمائے کرام موجود ہیں کہ جو اس انداز سے کام کر سکتے ہیں، ان کے حاصل مطالعہ اور نگارشات کی اشاعت کا اہتمام ہونا چاہیے،

یہ چند نکات ہیں کہ جو اس وقت ذہن میں آئے ہیں، آپ کو یاد ہوگا کہ ڈاکٹر سلمان صاحب منٹگمری واٹ کے سب سے زیادہ نقاد تھے، اور اپنی تنقید میں انھوں نے مجھ پر اور پاکستان پر بھی

ں ہونے کے باوجود میں نے نظر انداز کر دیا، تجویز نمبر ۹ کا تعلق بھی انہی بزرگ
ے ہے کہ اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے ڈاکٹر سلمان صاحب ہی کو کوئی ایک
، اگر وہ "فرسٹ کلاس" انگریزی ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کتا
داری میں قبول کرنے کے لئے تیار رہوں،

زیہ ہے کہ اس کانفرنس کی ایک مختصر روداد ضرور شائع کرنی چاہئے، اور
مسلمان محققین کو بلکہ جس حد تک ممکن ہو مستشرقین کو بھجوانی چاہئے

ں" کہ ان کی فکر و نظر پر گرفت کے لئے ایک ادارہ عالم وجود میں آگیا ہے،
دیں مقالات نہیں دئے جائیں گے، مگر کانفرنس کا مقصد اور منشاء ضرور
اور کانفرنس کی رائے اور عزائم کا اظہار ہونا چاہئے،

جھے ملتا ہے، اپریل کا بھی جلد مل جائے گا،

کو اپنے حفظ و امان میں رکھے،

احترامات فائقہ،

آپ کا مخلص

حکیم محمد سعید

مقالات شبلی جلد ششم

رون پر مشتمل ہے، یہ اس سلسلہ کی چھٹی جلد ہے جس میں مولانا شبلی مرحوم کے وہ
درج ہیں جو انھوں نے عیسائی مشنیریوں اور مستشرقین کے رد میں لکھے ہیں
سلامی شفاخانے، اسلامی کتب خانے اور تراجم وغیرہ،
مت : ۲۴۲ صفحے، قیمت: ۱۰ روپے

منیجر

مطبوعات جدیدہ

اعلام النثر والشعر فی العصر العربی الحدیث (الجزء الثانی) مرتبہ مولانا حافظ محمد یوسف کوکن، تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۴۶۰، قیمت ۷۵ روپے، پتہ:- حافظ ہوس پرنٹرس اینڈ پبلشرس، ۱۳ میلاپور اسٹریٹ مدراس، ۱۴

یہ کتاب ان خطبات کا مجموعہ ہے، جو مولانا محمد یوسف کوکن نے جدید عربی ادب کے موضوع پر کالی کٹ یونیورسٹی میں دئیے تھے، اس کی پہلی جلد پر کئی ماہ قبل معارف میں تبصرہ کیا جا چکا ہے، اب دوسری جلد شائع ہوئی ہے، اس کے شروع میں مہجر (ہجرت گاہ) کے ادیبوں کا تذکرہ ہے، جو خلافت عثمانیہ کے آخری دور میں معاشی بدحالی کی وجہ سے مصر، شام، اور لبنان وغیرہ کی سکونت ترک کرکے یورپ کے ملکوں میں جا بسے تھے، اور شمالی و جنوبی امریکہ میں خاص طور پر اُن کی نئی آبادی ہو گئی تھی، اُن میں اکثر مسیحی تھے، مگر وہاں جانے کے بعد بھی انھوں نے عربی زبان و ادب سے اشتغال اور دلچسپی قائم رکھی، اپنے ادارے قائم کرکے اخبار و رسالے نکالے اور کتابیں شائع کیں، لائق مصنف نے اس طرح کے تقریباً ۳۹ اہل قلم کے حالات و واقعات زندگی قلم بند کئے ہیں، اور اُن کے علمی، ادبی، تنقیدی، اور شعری سرمایے کی قدر و قیمت دکھائی ہے، اس ضمن میں شمالی امریکہ کی ادبی تنظیم الرابطۃ القلمیہ، جنوبی امریکہ کی العصبۃ الاندلسیہ اور ایک اور ادبی انجمن الرابطۃ الادبیہ کے اغراض و مقاصد کا خاکہ پیش کیا ہے، اور اُن کے مؤسسین اور

ذ میں عربی ملکوں کے بارہ ادیبوں اور شاعروں کے حالات
کا جائزہ لیا ہے، پہلے حصہ کے ممتاز نام یہ ہیں، امین ریحانی
شید ایوب، ایلیا ابو ماضی، میشال معلوف، الدکتور احمد
سرے حصہ میں جمیل صدقی زہاوی، فواد خطیب، معروف
طباخ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، اس کتاب میں جدید
تدا و ترقی اور کچھ ممتاز ڈرامہ و افسانہ لکھنے والوں کا ذکر
مت و ترقی میں حصہ لینے والے عیسائی مصنفین و اہل قلم
سے آخر میں الاستشراق والمستشرقون کے زیر عنوان خلفائے
ہجری تک کے یہودی و عیسائی فضلاء کے کارنامے بیان
می علوم پر مشتمل کتابوں کی ترتیب و تحشیہ کے ساتھ اشاعت،
ت کو سراہا ہے، مگر اُن کے تعصب و عناد کا بھی ذکر کیا ہے
م کی ذات گرامی کو خاص طور پر طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے
لمان علماء و فضلاء کا ذکر بھی آگیا ہے جنھوں نے مستشرقین
احمد خاں، امیر علی، مولانا شبلی، سید جمال الدین افغانی
ور عباس محمود عقاد، اس کتاب میں جن اہل قلم کا تذکرہ ہے
بعض اب بھی بقید حیات ہیں، اس کے مطالعہ سے عربی زبان
اور جدید افکار و تحریکات کے متعلق بھی مفید باتیں
ن کی طرح عیسائی اور یورپین فضلا کے کمالات اور
کی خدمات کا فراخدلی سے اعتراف کیا ہے، اور اُن کے

نظریات و خیالات پر بحث و تبصرہ کئے بغیر بے کم و کاست ان کو پیش کیا ہے، انھیں اردو کی طرح عربی لکھنے پر بھی اچھی قدرت ہے، مگر ایک جگہ ذہینًا (ص ۱۲۱) لکھا ہے، عربی میں ذہین استعمال نہیں ہوتا، کتابت کی غلطیاں بھی ہیں، اگر وہ مصنفین کے سنین وفات کے اعتبار سے کتاب مرتب کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا،

باقیات ایک جہاں مرتبہ مولوی ظہیر احمد باقوی صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۰۲ مجلد مع گردپوش، قیمت پندرہ روپیہ پتہ: ادارۂ صفیر انجمن ترقی اردو باقیات صالحات ویلور

جنوبی ہند کا مشہور مدرسہ باقیات الصالحات ویلور تقریبًا سوا سو برس (۱۲۵) سے مفید دینی تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے، زیر نظر کتاب میں اس درسگاہ، اس کے بانی اور دوسرے سرگرم کارکنوں اور اساتذہ وغیرہ کے متعلق مضامین یکجا کئے گئے ہیں، چند مضامین میں اس درسگاہ کی خصوصیات اور تعلیمی خدمات وغیرہ کا ذکر ہے، اس سلسلہ کا ایک مضمون دارالمصنفین کے سابق رفیق ڈاکٹر مولانا محمد یوسف کوکن عمری کا بھی ہے، مدرسہ کے بانی مولانا عبدالوہاب ویلوری مرحوم کا ذکر خیر دو مضامین میں ہے، ایک مضمون میں ان کے فرزند اور مدرسہ کے سابق ناظم مولانا محمد ضیاء الدین مرحوم کا تذکرہ ہے، کئی اور مضامین میں اس گلستان علم کے دوسرے رنگ برنگ پھولوں کا ذکر ہے، بعض حضرات کے انٹرویو بھی درج ہیں، ایک مضمون میں مدرسہ باقیات کے طلبہ و اساتذہ کی اردو زبان سے دلچسپی بھی دکھائی گئی ہے، اور مدرسہ کے متعلق ملک کے بعض اکابر کی رائیں اور اس کے صد سالہ جشن کے بارہ میں اُن کے تاثرات بھی نقل کیے گئے ہیں، آخر میں نظموں کا حصہ ہے، گو مضامین کا معیار زیادہ بلند نہیں ہے، تاہم اس کتاب سے مدرسہ کی خصوصیات اور اس سے وابستہ اہم اشخاص کے متعلق گوناگوں باتیں معلوم ہوتی

۲۷-۷-

ذی ادر ملی کام انجام دینے والے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں

م:- ازجناب ابرار اعظمی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ اچھا، کتابت وطباعت
ات ۱۶ - قیمت تحریر نہیں، پتہ:- نونہال تخلیقی اکیڈمی خالص پو
ہ،

ار اعظمی صاحب نے اپنے دینی، تعلیمی اور ادبی ذوق کی وجہ سے ننھے بچوں اور بچیوں
تربیت کے لئے اپنے وطن میں ایک اسکول قائم کیا ہے، اور بچوں کے ذوق کی
ب کرنے کا پروگرام بھی بنایا ہے، یہ انوکھا ترانہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے،
زیادہ بچوں کے ذوق و دلچسپی کو مدنظر رکھا گیا ہے، تاہم اس میں اللہ کی عظمت
دی اسلامی عقائد کا ذکر بھی آگیا ہے، اور اس کا لحاظ بھی ہے کہ اس کی مشق
ت ہو، شروع میں علم کی اہمیت اور مسلمانوں کی تعلیم سے غفلت کا ذکر بھی ہے، لیکن
قی اکیڈمی" کے بجائے "نونہال تربیتی یا تعلیمی اکیڈمی رکھنا چاہئے تھا، خلق و تخلیق تو
ہے، افسوس کہ ترقی پسندوں کے اثر سے اسلام پسند حضرات بھی ان لفظوں کو خدا کے
کے لئے استعمال کرنے میں قباحت محسوس نہیں کرتے،

یں، ازجناب جگن ناتھ آزاد، متوسط تقطیع کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ
ت ۲ روپیہ، پتہ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی

نے بچوں کے ادب کی متعدد کتابیں شائع کی ہیں، اب سخن اردو کے مقبول شاعر اور مو
اتھ آزاد کی نظموں کا یہ مجموعہ شائع کیا ہے جو اپنے والد محترم ہی کی طرح بچوں کیلئے
رت رکھتے ہیں، امید ہے کہ بچے اپنی دلچسپی اور پسند کی ان رنگ برنگ نظموں کو شوق
ض،

مولانا سید سلیمان ندویؒ کی چند کتابوں کے جدید ایڈیشن

نقوشِ سلیمانی

سید صاحب کے ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف ادبی کانفرنسوں کے خطبات صدارت ان کی دوسری تقریروں، تحریروں، تبصروں اور مقدموں کا مجموعہ، جن کا انتخاب خود فاضل مصنف نے اپنی زندگی میں کیا تھا، اور نہایت اہتمام سے معارف پریس میں چھپوایا تھا، وہ اردو کو ہندوستان کی نسبت سے ہندوستانی کا نام دیکر ملک کی مشترکہ زبان بنانا چاہتے تھے، افسوس کہ ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، اور ہندی ملک کی سرکاری زبان قرار پا گئی، طبع دوم عکسی،

قیمت:- ۲۵ روپیے،

خیّام

خیام کو فارسی کے ایک باکمال رُباعی گو شاعر کی حیثیت سے عالمی شہرت حاصل ہے، اس کی رباعیات کا یورپ اور ایشیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو گیا ہے، لیکن اس کے علاوہ وہ اور بھی بہت کچھ تھا، وہ فلسفی تھا، منجم تھا، ریاضی داں تھا، ہیئت داں تھا، اور حکیم و طبیب تھا، جس کی طرف شعر العجم میں خیّام کے تذکرہ میں مولانا شبلیؒ نے بھی اشارہ کیا ہے، اس کتاب میں پہلی مرتبہ اس کے سوانح و حالات کے ساتھ اس کی ان ہی حیثیات پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، آخر میں اس کے چند نایاب فارسی و عربی کے فلسفیانہ رسائل اور اس کی مستند رباعیات بھی شامل کر دی گئی ہیں، طبع دوم عکسی، قیمت: ۲۵ روپیے،

عرب و ہند کے تعلقات

سید صاحب نے عرب و ہند کے تعلقات پر ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد میں چند خطبے دیے تھے، یہ انہی کا مجموعہ ہے، طبع دوم عکسی، قیمت ۳۰ روپیہ

"منیجر"